الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ کا ماہانہ علمی مجلہ

الشریعہ
گوجرانوالہ

جلد ۷ | جنوری ۱۹۹۶ء | شمارہ ۱

انسانی حقوق نمبر

○ زیر سرپرستی ○
مولانا محمد سرفراز خان صفدر
مولانا صوفی عبد الحمید سواتی
مولانا محمد عبد اللہ چیمہ
ڈاکٹر سید سلمان ندوی

○ رئیس التحریر ○
ابو عمار زاہد الراشدی

○ نائب الرئیس ○
مولانا محمد عیسیٰ منصوری

○ مدیر ○
حافظ محمد عمار خان ناصر

○ مدیر معاون ○
حافظ ناصر الدین خان عامر

○ مجلس مشاورت ○
مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان گورمانی، پروفیسر غلام رسول عدیم، قاضی محمد رویس خان ایوبی، حافظ عبد القدوس خان قارن، حاجی محمد فیاض خان سواتی، حافظ عبد الحق خان بشیر، قاری حماد الزہراوی، عبد الرزاق خان

○

قیمت فی پرچہ ۲۵ روپے، سالانہ ۲۰۰ روپے
یورپ دس برطانوی پونڈ، امریکہ پندرہ ڈالر
مڈل ایسٹ پچاس سعودی ریال

○ ترسیل زر کے لیے ○
ماہنامہ الشریعہ، اکاؤنٹ نمبر ۳۴۰، حبیب بینک لمیٹڈ، بازار تھانے والا گوجرانوالہ
مینجر ماہنامہ الشریعہ، مرکزی جامع مسجد شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ

ناشر حافظ محمد عبد المتین خان زاہد
طابع مسعود اختر پرنٹرز، میکلوڈ روڈ لاہور
کمپوزنگ الشریعہ کمپوزرز، گوجرانوالہ

WORLD ISLAMIC FORUM

71 DELAFIELD HOUSE, CHRISTIAN ST.
LONDON E1 1QD (U-K)
TEL. / FAX (0171) 2651990

خط و کتابت کے لیے
الشریعہ اکادمی
مرکزی جامع مسجد (پوسٹ بکس ۳۳۱)
گوجرانوالہ فون ۲۱۹۲۴۳

فہرست مضامین

کلمہ حق	مدیر اعلیٰ	۳
انسانی اخلاق کی چار بنیادیں	مولانا عبید اللہ سندھی	۷
انسانی حقوق کا اسلامی تصور	مولانا مفتی فضیل الرحمٰن عثمانی	۱۰
انسانی حقوق کا عالمگیر اعلامیہ		۱۸
اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا چارٹر اور اسلامی تعلیمات	مدیر اعلیٰ	۲۶
انسانی حقوق کے عالمگیر اعلامیہ پر ایک نظر	مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی	۳۶
انسانی حقوق کے چارٹر کی بعض متنازعہ شقیں	مولانا محمد مشتاق احمد	۴۰
انسانی حقوق اور سیرت نبویؐ	مولانا محمد تقی عثمانی	۴۷
انسانی حقوق کا مغربی تصور سیرت طیبہ کی روشنی میں	مدیر اعلیٰ	۷۱
مغربی میڈیا، انسانی حقوق، اسلامی بنیاد پرستی اور ہم	ڈاکٹر صفدر محمود	۷۷
حقوق نسواں اور خواتین کی عالمی کانفرنسیں	مدیر اعلیٰ	۸۳
پاکستان میں انسانی حقوق کی صورت حال	مدیر اعلیٰ	۸۷
قافلہ معاد	مدیر اعلیٰ	۹۴
امراض و علاج	حکیم عبد الرشید شاہد	۹۶

بلبلاتا ہوا انسانی معاشرہ
عقل و خواہش کی حکمرانی کا ڈراپ سین

اسلام دین فطرت ہے اور نسل انسانی کے لیے ان تعلیمات و ہدایات کی نمائندگی کرتا ہے جو خالق کائنات نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے ذریعے نازل فرمائی ہیں۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس امر کی صراحت موجود ہے کہ قرآنی تعلیمات نئی نہیں بلکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل ہونے والی سابقہ وحی کی مصدق و موید اور اس کی مکمل ترین شکل ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل ہونے والی کتابوں اور ان کی تعلیمات کا کوئی ذخیرہ اگر آج تاریخ کے ریکارڈ میں محفوظ ترین صورت میں موجود ہے تو وہ صرف قرآن کریم اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و سیرت ہے' اس لیے اس وقت دنیا میں آسمانی تعلیمات اور وحی الٰہی کی نمائندگی کا حق صرف اور صرف قرآن و سنت کو ہے اور انسانی معاشرہ کی قیادت اور راہنمائی کے لیے وحی اور عقل کے درمیان جو معرکہ آخری اور فیصلہ کن دور میں داخل ہو چکا ہے' اس میں عقل انسانی کی بنیاد پر تشکیل پانے والی سولائزیشن اور نظام ہائے حیات کا اصل مقابلہ قرآن و سنت سے ہی ہے۔

انسانی معاشرہ کی راہ نمائی کے لیے عقل اور خواہشات کا ہمیشہ سے گٹھ جوڑ رہا ہے۔ خواہشات انسانی سوسائٹی میں باہمی ٹکراؤ کا باعث بنتی ہیں' فساد اور بد امنی کو جنم دیتی ہیں' خرابیاں پیدا کرتی ہیں اور عقل ان خواہشات کی نگرانی اور کنٹرول کی دعوے دار ہے لیکن یہ ایسا کمزور نگران ہے جو خود کو خواہشات کے منہ زور گھوڑے کی پشت پر بے بس پا کر اکثر اوقات اپنے آپ کو بھی اسی کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے اور یوں معاشرہ خواہشات کے خوفناک عفریت کے ہاتھوں فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن کر رہ جاتا ہے۔

نسل انسانی کی تاریخ گواہ ہے کہ عقل کی کمزور لگام' خواہشات کے منہ زور گھوڑے کو

کسی دور میں بھی کنٹرول نہیں کر سکی اور انسانی خواہشات نے صرف اس وقت فطرت کے دائرے میں رہنا قبول کیا جب ان پر وحی الٰہی کی حکمرانی قائم ہوئی ہے۔ وحی، عقل اور خواہشات کی طویل کشمکش کی پوری تاریخ پر نظر ڈال لیجئے، عقل کو انسانی خواہشات پر کنٹرول میں اسی وقت کامیابی ہوئی ہے جب اس نے وحی کی راہنمائی کو قبول کر کے اس کے معاون کے طور پر خواہشات کا مقابلہ کیا ہے۔ اور جب بھی عقل نے وحی الٰہی سے بے نیاز ہو کر انسانی خواہشات کا سامنا کرنے کی کوشش کی ہے، اسے شکست اور رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا۔ آج کا انسانی معاشرہ اس کی مکمل تصویر پیش کر رہا ہے۔ عقل نے آزادی، مساوات اور سولائزیشن کے نام پر انسانی خواہشات کو قواعد و ضوابط کے ایک دائرے کا پابند کرنا چاہا اور آسمانی تعلیمات اور وحی کو ذاتی عقیدہ، عبادت اور اخلاق کے حصار میں بند کر کے زندگی کے اجتماعی شعبوں میں اس کی عمل داری کو مسترد کر دیا، لیکن عقل کی اس تین صدیوں پر محیط جدوجہد کا نتیجہ کیا سامنے آیا؟ آج پوری دنیا میں انسانی معاشرے پر خواہشات کی حکمرانی ہے اور جس قوم، طبقہ، گروہ یا فرد کی رسائی طاقت اور عقل کے ہتھیاروں تک ہو جاتی ہے، قاعدے، ضابطے، اصول، نظریات اور اخلاق اس کے نزدیک بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ عقل کا اس کے سوا کوئی کردار باقی نہیں رہ گیا کہ وہ خواہشات کی حکمرانی کے لیے جواز کے دلائل پیش کرتی رہے اور وحشیانہ خواہشات کا شکار ہونے والے مظلوم انسانوں کو یہ کہہ کر تسلی دیتی رہے کہ چونکہ انسان کی ہر خواہش کا پورا ہونا اس کا حق ہے اور جس خواہش پر سوسائٹی کی اکثریت کا اتفاق ہو جائے، اسے قانون کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے اس لیے انچاس فی صد کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اکاون فی صد کی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بنیں اور خاموشی کے ساتھ انہیں پورا کرتے رہیں۔ قتل و غارت، لوٹ مار، بھوک، جہالت، نسل، زبان اور علاقہ کی بنیاد پر منافرت، کنواری ماؤں اور ناجائز بچوں میں مسلسل اضافہ، خاندانی زندگی کی تباہی، رشتوں کے تقدس کی پامالی اور عزت و عفت کی بے حرمتی کے جو مظاہر آج انسانی معاشرہ میں ہر طرف دکھائی دے رہے ہیں، وہ کس کے پیدا کردہ ہیں؟ انہیں خواہشات نے جنم دیا ہے اور عقل انہیں جواز کے دلائل فراہم کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکی۔

عقل اور خواہشات کے گٹھ جوڑ نے وحی کو انسانی زندگی سے بے دخل کرنے کا جو ڈرامہ تین صدیاں قبل شروع کیا تھا، وہ تکمیل کو پہنچ گیا ہے اور اس کا ڈراپ سین انسانی سوسائٹی کی صورت میں آج ہمارے سامنے ہے۔ قرآن کریم نے اس کشمکش کا ذکر چودہ سو برس قبل ان الفاظ سے کر دیا تھا ان یتبعون الا الظن و ما تھوی الانفس و لقد

جاء هم من ربهم الهدیٰ (النجم) "یہ لوگ صرف ظن (انتہائے عقل) اور خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آچکی ہے۔"

اسلام، عقل کے کردار اور ضرورت سے انکار نہیں کرتا، بلکہ قرآن کریم نے بار بار غور و فکر اور تدبر کی دعوت دی ہے اور عقل کے استعمال کی تلقین کی ہے۔ اسلام حکمت و دانش کا دین ہے اور فقہ و اجتہاد اس کے بنیادی اصولوں میں شامل ہیں، لیکن عقل کو حکمران کی نہیں بلکہ معاون کی حیثیت دی ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ عقل کو کبھی حکمران کا درجہ حاصل نہیں رہا۔ وہ اگر وحی کی معاون نہیں بنی تو اسے طاقت یا خواہشات کی چاکری کرنا پڑی ہے۔ قدرت نے اسے معاونت کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ ہمیشہ خواہشات، طاقت یا وحی میں سے کسی کی معاون رہی ہے، اس لیے عقل کا صحیح کردار یہی ہے کہ وحی کے دائرے کی پابند ہو اور اس کے احکام کی تعمیل کے لیے معاونت کرے۔ اسلام خواہشات سے بھی انکار نہیں کرتا، بلکہ وہ ترک خواہشات اور رہبانیت کو عبادت کا درجہ دینے کا روادار نہیں ہوا۔ اسلام نے انسان کی ہر فطری خواہش کو تسلیم کیا ہے اور اس کی تکمیل کا حق دیا ہے، لیکن خواہشات کی بے لگامی کو اسلام قبول نہیں کرتا اور خواہشات کو آسمانی تعلیمات اور وحی الٰہی کی ہدایات کا پابند دیکھنا چاہتا ہے، کیونکہ اس پابندی کے بغیر خواہشات کو کنٹرول کرنے کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے اور خواہشات کو کنٹرول کے دائرے میں رکھے بغیر معاشرہ میں امن و سلامتی کا قیام نہیں ہو سکتا۔ اسلام، انسان پر خواہشات کی حکمرانی کا نہیں بلکہ خواہشات پر انسان کی حکمرانی کا قائل ہے اور اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو انسان اپنی خواہشات پر کنٹرول نہیں کر سکتا، وہ انسانی فطرت پر قائم نہیں رہا، اور خواہشات پر حکمرانی عقل محض کے ذریعہ نہیں بلکہ وحی و عقل کے امتزاج اور توفیق الٰہی سے ہی قائم ہو سکتی ہے۔

آج انسانی معاشرہ کا سب سے بڑا مسئلہ بے لگام اور روز افزوں خواہشات پر کنٹرول حاصل کرنا ہے کیونکہ اس کے بغیر امن، خوشحالی، سلامتی اور سکون کا حصول ممکن نہیں ہے اور گزشتہ تین صدیوں کے تلخ تجربہ نے یہ بات ایک بار پھر ثابت کر دی ہے کہ انسانی خواہشات کو کنٹرول کرنا عقل محض کے بس کی بات نہیں ہے۔ عقل کو زود یا بدیر وحی کے سائے میں آنا پڑے گا اور آسمانی تعلیمات کی بالادستی قبول کرنا ہوگی اور انسانی تاریخ کے ریکارڈ پر یہ آسمانی تعلیمات صرف اور صرف قرآن و سنت کی تعلیمات کی صورت میں موجود ہیں، جو وحی، عقل اور خواہشات کے خوبصورت امتزاج اور توازن کی علمبردار ہیں۔ عقل انسانی اس حقیقت کا جس دن ادراک کر لے گی، وہ انسانی معاشرہ میں ایک صحت مند، خوشگوار اور

فطری انقلاب کا "یوم آغاز" ہو گا۔

"الشریعہ" کا نیا دور

ماہنامہ "الشریعہ" نے اپنے سفر کا آغاز اکتوبر ۱۹۸۹ء میں کیا تھا۔ حالات کی ناسازگارت کے باوجود محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ جریدہ اپنی زندگی کے سوا چھ سال اور چھ جلدیں مکمل کر چکا ہے اور زیر نظر شمارہ سے ساتویں جلد کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس دوران "الشریعہ" نے اسلامائزیشن' مغربی میڈیا اور لابیوں کی اسلام دشمن مہم کے تعاقب اور عالمی استعمار کی فکری اور نظریاتی یلغار کے حوالے سے دینی حلقوں کی آگاہی و بیداری کے لیے اپنی بساط کی حد تک خدمات سرانجام دی ہیں اور اہل علم و نظر کے ہاں پسندیدگی اور قبولیت کے روز افزوں رجحانات سے یہ اطمینان ہوتا ہے کہ ہمارا سفر صحیح سمت اور وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہے' فالحمد للہ علیٰ ذلک۔ البتہ اصحاب خیر و ثروت کے ہاں پذیرائی حاصل کرنے میں ہم کامیاب نہیں ہو سکے' اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ فکری اور نظریاتی محاذ کی جدوجہد کو ہمارے ہاں ابھی دینی تقاضوں میں شمار نہیں کیا جاتا اور اسی بنا پر فکری و نظریاتی محنت کو وہ وسائل حاصل نہیں ہو پاتے جو آج کے دور میں ضروریات کا درجہ حاصل کر چکے ہیں۔

وسائل و اخراجات میں ضروری تعاون کے فقدان اور "الشریعہ" کو بلا معاوضہ اور اعزازی طور پر حاصل کرنے کے عمومی ذوق کے ہاتھوں بے بس ہو کر اس سے قبل دو بار سائز اور صفحات میں کمی کی گئی تھی اور اب اسی وجہ سے ایک اور تبدیلی کے ذریعے "الشریعہ" کو ماہوار جریدہ کی بجائے "سہ ماہی مجلّہ" کی شکل دی جا رہی ہے جس کا پہلا نمونہ زیر نظر مجلّہ کی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔ پروگرام کے مطابق سال میں "الشریعہ" کے چار شمارے (جنوری' اپریل' جولائی' اکتوبر) میں شائع ہوں گے۔ ہر شمارہ کم از کم ایک سو صفحات پر مشتمل ہو گا اور کسی ایک عنوان کے لیے مخصوص ہو گا۔ اس طرح سال کے مجموعی صفحات اور قیمت میں کوئی کمی نہیں ہو گی' البتہ وقفہ اشاعت بڑھ جائے گا اور متنوع مضامین کی بجائے ہر شمارہ میں کسی ایک عنوان پر منتخب مضامین پیش کیے جائیں گے۔ اس پروگرام کے مطابق "الشریعہ" کا اگلا شمارہ اپریل ۹۶ء کے آغاز میں قارئین کی خدمت میں پیش کیا جائے گا اور اس کا عنوان "پاکستان میں نفاذ شریعت میں ناکامی کے اسباب" ہو گا' ان شاء اللہ تعالیٰ۔

امید ہے کہ احباب اس سلسلہ میں تعاون اور سرپرستی میں بخل سے کام نہیں لیں گے۔

انسانی اخلاق کی چار بنیادیں

ہمارے نزدیک شاہ ولی اللہؒ حکیم و صدیق ہیں جنہوں نے سارے ادیان، مذاہب اور شریعتوں کا اصلاً ایک ہونا ثابت کیا اور پھر ان بنیادی اصولوں کا تعین بھی کیا جو ہر دین کا مقصود حقیقی تھے اور ہر مذہب اور شریعت ان کو پورا کرنا اپنا فرض سمجھتی رہی۔ شاہ صاحبؒ "ہمعات" میں لکھتے ہیں "اس فقیر پر یہ بات روشن کی گئی ہے کہ تہذیب نفس کے سلسلے میں جو چیز شریعت میں مطلوب ہے، وہ چار خصلتیں ہیں۔ حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو انہی چار خصلتوں کے لیے بھیجا۔ تمام ملل حقہ میں انہی چار خصلتوں کا ارشاد اور ان کے حاصل کرنے کی ترغیب و تحریص ہے۔ "بر" یعنی بھلائی انہی چار خصلتوں کا حاصل ہے اور گناہ سے مراد وہ عقائد و اعمال اور اخلاق ہیں جو انہی چار خصلتوں کی ضد ہیں۔

ان چار خصلتوں میں سے ایک طہارت ہے۔ اس کی حقیقت اور اس کی طرف میلان ہر سلیم الفطرت انسان کے اندر ودیعت کیا گیا ہے۔ یہ گمان نہ کر لینا کہ یہاں طہارت سے مراد محض وضو اور غسل ہے بلکہ طہارت کا اصل مقصود وضو اور غسل کی روح اور ان کا نور ہے۔ جب آدمی نجاستوں میں آلودہ ہو اور میل کچیل اور بال اس کے بدن پر جمع ہوں، بول و براز اور ریح نے اس کے معدے میں گرانی پیدا کی ہو تو ضروری اور لازمی بات ہے کہ وہ انقباض، تنگی اور حزن اپنے اندر پائے گا۔ اور جب وہ غسل کرے گا اور زائد بالوں کو دور کرے گا اور صاف لباس زیب تن کرے گا اور خوشبو لگائے گا تو اسے اپنے نفس میں انشراح، سرور اور انبساط کا احساس ہوگا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ طہارت یہی وجدانی کیفیت ہے جو انس اور نور سے تعبیر کی جا سکتی ہے۔

دوسری خصلت اخبات (خدا تعالیٰ کے لیے خضوع) یعنی نہایت درجے کی عجز و نیاز مندی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک سلیم الفطرت شخص جب طبعی اور خارجی تشویشوں سے فراغت کے بعد صفات الٰہی، اس کے جلال اور اس کی کبریائی میں غور کرتا ہے تو اس پر ایک حیرت اور دہشت کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یہی حیرت اور دہشت خشوع و خضوع یعنی نیاز مندی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایک سوچنے والا

انسان جب کائنات کی اس گتھی کو حل کرنے سے عاجز آجاتا ہے اور اس عجز اور افتادگی کی حالت میں وہ کسی اور قوت کے سامنے اپنے آپ کو بے دست و پا پاتا ہے تو اس کی یہ بے دست و پائی اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے سے بلند تر کسی اور قوت کو مانے۔ ایک سائنس دان نے اسے مادے سے تعبیر کیا ہے' فلسفی نے اسے عقل کل مانا اور مذہبی اسے خدا کہتا ہے۔ بہرحال انسان کہیں نہ کہیں اس کائنات کے سامنے اپنے آپ کو ضرور مجبور پاتا ہے اور یہی مجبوری اسے خضوع کی طرف لے جاتی ہے۔

تیسری خصلت سماحت (فیاضی) ہے۔ اس کے معنیٰ ہیں کہ نفس طلب لذت' حب انتقام' بخل اور حرص وغیرہ سے مغلوب نہ ہو۔ اس کے ذیل میں عفت' جدوجہد' صبر و عفو' سخاوت' قناعت اور تقویٰ تمام آجاتے ہیں۔ شکم اور فرج (شرمگاہ) کی خواہش کے قبول نہ کرنے کا نام عفت ہے۔ آسائش اور ترک عمل کی خواہش کو قبول نہ کرنے کا نام جدوجہد ہے اور جزع و فزع (رونا پیٹنا) کو روکنا صبر ہے اور انتقام کی خواہش کو دبانا عفو اور خواہش بخل کو چھوڑ دینے کا نام سخاوت اور حرص کو قبول نہ کرنا قناعت ہے۔ شریعت کی بنائی ہوئی حدوں سے تجاوز نہ کرنا تقویٰ ہے۔

چوتھی خصلت عدالت ہے۔ سیاسی اور اجتماعی نظاموں کی روح رواں یہی خصلت ہے۔ ادب' کفایت' حریت' سیاست مدنیہ اور حسن معاشرت وغیرہ سب عدالت کی شاخیں ہیں۔ اپنی حرکات و سکنات پر نگاہ رکھنا' عمدہ اور بہتر وضع اختیار کرنا اور دل کو ہمیشہ اس کی طرف متوجہ رکھنا ادب ہے۔ جمع اور خرچ' خرید و فروخت اور تمام معاملات میں عقل و تدبر سے کام لینا کفایت ہے۔ خانہ داری کے کاموں کو بخوبی انجام دینا حریت ہے اور شہروں اور لشکروں کا اچھا انتظام کرنا سیاست مدنیہ ہے۔ بھائیوں میں نیک زندگی بسر کرنا' ہر ایک کے حق کو پہچاننا اور ان سے الفت و بشاشت سے پیش آنا حسن معاشرت ہے۔

یہی چار اخلاق ہیں جن کی تکمیل سے انسانیت کو ترقی ملتی ہے اور ان کے چھوڑنے سے انسان قعر مذلت (ذلت کے گڑھے) میں گرتا ہے' اس دنیا میں جتنے بھی تمدن بنے اور جس قدر بھی فکری ادارے قائم ہوئے اور جو بھی شریعتیں معرض وجود میں آئیں' اگر ان کے پیش نظر انسانوں کو اٹھانا اور ان کی حالت کو درست کرنا تھا تو انھوں نے انہی چار اخلاق کو سنوارنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں اسلام' عیسائیت اور یہودیت کا معاملہ تو بالکل ظاہر ہے لیکن اگر چینی فلسفہ اخلاق' ہندوؤں کے مذہبی فکر' ایرانیوں کے نظام حیات' یونانیوں کی حکمت اور قدیم مصریوں کے مذہب کا بغور مطالعہ کریں تو آپ کو کسی نہ کسی صورت میں ان

چار اخلاق کی درستی اور ان کی ضدوں سے بچنے کی تاکید ملے گی۔ ایرانی حکیم بزرجمہر کے اقوال' افلاطون کا اپنی کتاب "ریاست" میں عدالت کو زندگی کی بنیاد ثابت کرنا' قدیم مصریوں کا مذہبی صحیفہ "کتاب الموتی" کے ارشادات' ہندوؤں کے ویدوں اور گیتا کا پر حکمت کلام اور چینیوں کے اخلاقی فلسفے "کنفوشس" کی تعلیمات ان سب کا حاصل کم و بیش یہی تھا کہ انسانیت کے ان چار بنیادی اخلاق کو ترقی دی جائے اور تمام رسول اسی لیے مبعوث ہوئے اور تمام حق شناس حکیم اور صدیق اپنی اپنی قوموں کو یہی پیغام سناتے رہے۔

لہٰذا اگر ہم اس حقیقت کو سمجھ جائیں تو پھر مسلمانوں اور غیر مسلموں کے نظریہ اخلاق میں اصولی نزاع نہ رہے گا اور ہم میں فراخ دلی اور رواداری بھی پیدا ہو جائے گی۔ بے شک سماج کے چھوٹے طبقوں میں تو چپقلش موجود رہے گی' لیکن ایسے ہی جیسا کہ ایک ہی ملت کے مختلف فرقوں میں مخصوص رجحانات اور استعدادوں کی بنا پر ذہنی اور مذہبی اختلافات ہوتے ہیں لیکن جہاں تک اصحاب عقل و رشد کا تعلق ہے' ان کو آفتاب نبوت سے پھوٹی ہوئی شعاؤں اور حکیم کے دماغ سے نکلے ہوئے اخلاقی نظام میں فرق مراتب تو ضرور نظر آئے گا' لیکن وہ دونوں کو ایک دوسرے کی ضد نہ سمجھیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صالح غیر مسلم اور صالح مسلمان ایک دوسرے کی خوبیوں کو بحیثیت انسان کے نظر انصاف سے جانچنے کے قابل ہوں گے۔

ہمارے خیال میں یہ تصور کل بنی نوع انسان کو موجوہ خلفشار سے نکال سکتا ہے۔ ہر قوم کے عقل مند طبقوں کا رجحان اب اس طرف ہو رہا ہے اور وہ کوشش کر رہے ہیں کہ اپنے اپنے فکری نظاموں کو عالم گیر انسانیت کا ترجمان بنا کر پیش کریں لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ وہ دین جو صحیح معنوں میں ساری انسانیت کا دین تھا اور وہ کتاب جو کل نوع انسانی کی ہدایت کی علمبردار تھی اور وہ ملت جس نے سب قوموں کو ایک بنایا اور جس کا تمدن ساری انسانیت کی "باقیات صالحات" کا مرقع تھا' وہ دین' وہ کتاب اور وہ ملت اور اس کا تمدن ایک فرقے کی جاگیر بن گیا ہے اور وہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ اس وسعت پذیر دور میں جس میں کہ کرہ زمین کی سب دوریاں سکڑ گئی ہیں' ملکوں' قوموں اور براعظموں کی سرحدیں سمٹتی جا رہی ہیں' ریل' جہاز' طیاروں اور ریڈیو نے سب انسانوں کو اپنی کہنے اور دوسروں کی سننے کے لیے ایک انسانی برادری میں بدل دیا ہے۔ اس زمانے میں ایسی تعلیم کو جو صحیح معنوں میں عالم گیر اور انسانی تھی' ایک گروہ اور جماعت میں محدود کر دینا کتنا بڑا ظلم ہے۔ معلوم نہیں مسلمان اسلام کو کب سمجھیں گے اور قرآن کے اصل پیغام کو کب اپنائیں گے؟

مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

انسانی حقوق کا اسلامی تصور

انسانی طرز عمل انفرادی اور اجتماعی زندگی میں کیا ہونا چاہیے؟ قرآن کریم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جواب میں زندگی کی پوری اسکیم کا عملی نقشہ ہمارے سامنے دیتے ہیں۔

---- ○ اس اسکیم کا ایک حصہ ہماری اخلاقی تعلیم و تربیت ہے جس کے مطابق افراد کی سیرت اور ان کے کردار کو ڈھالا جاتا ہے۔

---- ○ اس اسکیم کے مطابق ہمارا معاشرتی اور سماجی نظام تشکیل پاتا ہے جس میں مختلف قسم کے انسانی تعلقات کو منضبط کیا جاتا ہے۔

---- ○ اس اسکیم کا ایک حصہ ہمارے معاشی اور اقتصادی نظام کی شکل میں سامنے آتا ہے جس کے مطابق ہم دولت کی پیدائش، تقسیم، تبادلے اور اس پر لوگوں کے حقوق کا تعین کرتے ہیں۔

---- ○ اور اس اسکیم کا ایک جز ہمارا سیاسی نظام ہے جس میں اس اسکیم کو نافذ کرنے کے لیے سیاسی اقتدار کی ضرورت ہے۔

اس پوری اسکیم کا بنیادی مقصد انسانی زندگی کے نظام کو معروفات پر قائم کرنا اور منکرات سے پاک کرنا ہے۔ یہ اسکیم سوسائٹی کے پورے نظام کو اس طرز پر ڈھالتی ہے کہ خدا کی بنائی ہوئی فطرت کے مطابق ایک ایک بھلائی اپنی پوری پوری صورت میں قائم ہو۔ ہر طرف سے اس کو پروان چڑھنے میں مدد ملے اور ہر وہ رکاوٹ جو کسی طرح اس کی راہ میں حائل ہو سکتی ہے، دور کی جائے۔ اسی طرح فطرت انسانی کے خلاف ایک ایک برائی کو چن چن کر زندگی سے نکالا جائے۔ اس کی پیدائش اور نشو و نما کے اسباب دور کیے جائیں۔ جدھر جدھر سے وہ زندگی میں داخل ہو سکتی ہے، اس کا راستہ بند کیا جائے اور اس سارے انتظام کے باوجود اگر وہ سر اٹھا ہی لے تو اسے سختی سے دبا دیا جائے۔

معروف و منکر کے متعلق یہ احکام ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں پر پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ اسکیم ایک صالح نظام زندگی کا پورا نقشہ دیتی ہے اور اس غرض کے لیے زائض اور حقوق کا ایک پورا نظام ہے' ایک مکمل نقشہ ہے' ایک پوری اسکیم ہے جس کا ہر حصہ دوسرے حصہ کے ساتھ اعضائے جسمانی کی طرح جڑا ہوا ہے۔

اس اسکیم کا ایک حصہ انسانی حقوق کا چارٹر ہے۔ عرب کے نبی امیؐ نے یہ چارٹر اس وقت پیش کیا تھا جب نہ کسی اقوام متحدہ کا وجود تھا اور نہ انسان مادی ترقی کی اس معراج پر پہنچا تھا جہاں آج نظر آتا ہے۔

ا۔ انفرادی حقوق

۱۔ مذہبی آزادی

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی (قرآن مجید سورہ بقرہ آیت نمبر۲۵۶)

"دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے' صحیح بات غلط خیالات سے چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے"

ولو شاء ربک لامن من فی الارض کلھم جمیعا افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین ○ (سورہ یونس آیت ۹۹)

"اگر تیرے رب کی مشیت یہ ہوتی (کہ زمین میں سب مومن و فرماں بردار ہی ہوں) تو سارے اہل زمین ایمان لے آئے ہوتے' پھر کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں؟"

یعنی حجت اور دلیل سے ہدایت و ضلالت کا فرق کھول کر رکھ دینے کا جو حق تھا' وہ تو پورا پورا ادا کر دیا گیا ہے۔ اب رہا جبری ایمان تو یہ اللہ کو منظور نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ہی انسانوں کو ایمان لانے یا نہ لانے اور اطاعت اختیار کرنے یا نہ کرنے میں آزاد رکھنا چاہتا ہے۔

۲۔ عزت کے تحفظ کا حق

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو' نہ مرد دوسرے کا مذاق اڑائیں' ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں' ہو سکتا ہے کہ وہ ان

سے بہتر ہوں، آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو، ایمان لانے کے بعد فسق ں نام پیدا کرنا، بہت بری بات ہے، جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں۔" (سورہ حجرات، آیت ۱۱)

ایک دوسرے کی عزت پر حملہ کرنا، ایک دوسرے کی دل آزاری، ایک دوسرے سے بد گمانی در حقیقت ایسے اسباب ہیں جن سے آپس کی عداوتیں پیدا ہوتی ہیں اور پھر دوسرے اسباب سے مل کر ان سے بڑے بڑے فتنے جنم لیتے ہیں۔ اسلام ہر فرد کی بنیادی عزت کا حامی ہے جس پر حملہ کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔

۳۔ نجی زندگی کے تحفظ کا حق

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور تجسس نہ کرو۔" (سورہ حجرات، آیت ۱۲)

یعنی لوگوں کے دل نہ ٹٹولو، ایک دوسرے کے عیب تلاش نہ کرو، دوسروں کے حالات اور معاملات کی ٹوہ نہ لگاتے پھرو، لوگوں کے نجی خطوط پڑھنا، دو آدمیوں کی باتیں کان لگا کر سننا، ہمسایوں کے گھر میں جھانکنا اور مختلف طریقوں سے دوسروں کی خانگی زندگی یا ان کے ذاتی معاملات کی کھوج کرنا ایک بڑی بد اخلاقی ہے جس سے طرح طرح کے فساد رونما ہوتے ہیں، اس لیے ہر انسان کو اپنی نجی زندگی کے تحفظ کا حق دیا گیا ہے اور دوسروں کو اس میں دخل اندازی سے روکا گیا ہے۔

۴۔ صفائی پیش کرنے کا حق

"تم چھپا کر ان کو دوستانہ پیغام بھیجتے ہو حالانکہ جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو، ہر چیز کو میں بخوبی جانتا ہوں۔" (سورہ ممتحنہ آیت ۱)

یہ اشارہ بدری صحابی حضرت حاطب بن بلتعہ کی طرف ہے۔ مشرکین مکہ کے نام ان کا ایک خط مکہ معظمہ پر حملہ کی خبر کے بارے میں پکڑا گیا تھا۔ مگر اس سنگین جرم کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھلے عام اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا پورا موقعہ دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جرم کی نوعیت خواہ کچھ بھی ہو، صفائی کا موقع دیے بغیر سزا دینا انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے اور اسلام نے انسان کے اس بنیادی حق کی پاسبانی نازک سے نازک موقعہ پر بھی کر دکھائی ہے۔

۵۔ اظہار رائے کی آزادی

قرآن مجید کی سورہ شوریٰ کی آیت ۳۸ میں فرمایا کہ وہ اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں۔ دوسری جگہ سورہ آل عمران کی آیت ۱۵۹ اس طرح ہے کہ:

"(اے پیغمبر) ان کے قصور معاف کر دو' ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو۔ پھر جب تمہارا عزم (مشورے کے نتیجہ میں) کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو۔"

مشاورت اسلامی طرز زندگی کا ایک اہم ستون ہے۔ مشاورت کا اصول اپنی نوعیت اور فطرت کے لحاظ سے اس کا متقاضی ہے کہ اجتماعی معاملات جن لوگوں کے حقوق اور مفادات سے تعلق رکھتے ہیں' انہیں اظہار رائے کی پوری آزادی حاصل ہو اور مشورہ دینے والے اپنے علم' ایمان اور ضمیر کے مطابق رائے دے سکیں۔

۲۔ سماجی حقوق

۱۔ انسانی مساوات

"کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ میں فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے معاملہ میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔" (سورہ احزاب آیت ۳۶)

یہ مذکورہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ کے لیے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ بنت جحش سے نکاح کا پیغام دیا تھا۔ حضرت زینب کو اپنے نسلی اور خاندانی فخر کے باوجود اس حکم کے سامنے سر جھکانا پڑا اور اس طرح نسلی امتیاز کے بت کو توڑ کر انسانی مساوات کا بہترین عملی نمونہ کاشانہ نبوت سے سماج کے سامنے پیش کیا گیا۔

۲۔ اجر و ثواب میں مرد و زن کی برابری

"جو مرد اور عورتیں اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں' اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔" (سورہ احزاب آیت ۳۵)

یہ اسلام کی وہ بنیادی قدریں ہیں جنہیں ایک فقرے میں سمیٹ دیا گیا ہے۔ ان قدروں کے لحاظ سے مرد اور عورت کے درمیان دائرہ عمل کا فرق تو ضرور ہے مگر اجر و ثواب میں دونوں مساوی ہیں۔

۳۔ والدین کے لیے حسن سلوک

"ہم نے انسان کو ہدایت کی ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے۔" (سورہ عنکبوت آیت ۸)

انسان پر مخلوقات میں سے کسی کا حق سب سے بڑھ کر ہے تو وہ اس کے ماں باپ ہیں، صاف ستھرے سماج کے قیام کے لیے یہ ایک اہم چیز ہے۔

۴۔ انسانی جان کی حرمت

"اور جو اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے۔" (سورہ فرقان آیت ۶۸)

ایک دوسری جگہ بلا خطا کسی کی جان لینے کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔ انسانی جان کی حرمت سماج کے ان بنیادی حقوق میں سے ہے جس کے بغیر کوئی سماج زندہ نہیں رہ سکتا۔

۵۔ ازدواجی زندگی

"اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تا کہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔" (سورہ روم آیت ۲۱)

ایک پاکیزہ سماج میں یہ ضروری ہے کہ شادی کے قابل لوگ زیادہ دیر مجرد نہ رہیں تا کہ بلا وجہ کی شہوانی لہر سماج کی فضا کو زہر آلود نہ کر سکے۔ شادی کے نتیجے میں ایک دوسرے کے لیے سکون و اطمینان کے ساتھ مودت و رحمت وہ بنیادی چیز ہے جو انسانی نسل کے برقرار رہنے کے علاوہ انسانی تہذیب و تمدن کے وجود میں آنے کا ذریعہ بنتی ہے، اس کی بدولت گھر بنتا ہے، خاندان اور قبیلے وجود میں آتے ہیں اور اس کی بدولت انسانی زندگی میں تمدن کا نشو و نما ہوتا ہے۔ اس لیے ازدواجی زندگی ایک سماجی حق بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے آخری نبیؐ نے اس کو اپنی سنت اور طریقہ قرار دے کر اس کو عبادت کا تقدس بھی بخش دیا ہے۔

۳۔ سیاسی حقوق

۱۔ اسلام کے سیاسی نظام کی اولین دفعہ

"اے ایمان لانے والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی' اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔" (سورہ نساء آیت ۵۹)

قرآن مجید کی یہ آیت اسلام کے سیاسی نظام کی بنیادی اور اولین دفعہ ہے' اسلامی نظام میں اصل مطاع اللہ تعالیٰ ہے اور رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت کی واحد عملی صورت ہے۔ رسول ہی ایک مستند ذریعہ ہے جس سے ہم تک خدا کے احکام اور فرامین پہنچتے ہیں۔ اولو الامر کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے۔

۲۔ عمومی اور مقصدی تعلیم

اسلام کے سیاسی نظام میں عمومی اور مقصدی تعلیم کا ایک بنیادی حق ہے۔ ارشاد ہے:

"ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصہ سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقہ کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ غیر مسلمانہ روش سے پرہیز کریں۔" (سورہ توبہ آیت ۱۲۱)

۳۔ سیاسی ولایت کا حق

اسلام کے سیاسی نظام میں ولایت کا حق صرف ان باشندوں کو ہے جو اسلامی مملکت کی حدود میں ہوں' لیکن اخوت کا رشتہ بدستور ہے اور بین الاقوامی ذمہ داریاں نیز اخلاقی حدود کا پاس رکھتے ہوئے مظلوم کی امداد مسلم حکومت کی ذمہ داری ہے' قرآن مجید میں فرمایا گیا:

"وہ لوگ جو ایمان تو لے آئے مگر ہجرت کر کے (دار الاسلام میں) نہیں آئے تو ان سے تمہارا ولایت کا کوئی تعلق نہیں ہے جب تک کہ وہ ہجرت کر کے نہ آ جائیں۔ ہاں اگر وہ دین کے معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر فرض ہے لیکن ایسی کسی قوم کے خلاف نہیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے۔" (سورہ انفال آیت ۷۲)

۴۔ سیاسی سربراہ منتخب کرنے کا حق

اسلام کے سیاسی نظام میں اس کی بڑی اہمیت ہے کہ قوم کے معاملات چلانے کے لیے قوم کا سربراہ سب کی مرضی سے مقرر کیا جائے اور وہ قومی معاملات کو ایسے صاحب رائے لوگوں کے مشورے سے چلائے جن کو قوم قابل اعتماد سمجھتی ہو اور وہ اس وقت تک سربراہ رہے جب تک قوم خود اسے اپنا سربراہ بنائے رکھنا چاہے۔ یہ چیز امرھم شوری بینھم

(سورہ شوریٰ آیت ۳۸) کا ایک لازمی تقاضا اور سیاسی نظام کی ایک اہم دفعہ ہے۔

۵۔ بے لاگ انصاف کا حصول

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔" (شوریٰ آیت ۱۵)

اسلام کے سیاسی نظام میں بے لاگ اور سب کے لیے یکساں انصاف مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے جس میں کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہو سکے۔

۶۔ حقوق کی یکسانیت

بہترین نظام وہ ہے جس میں ہر ایک کے حقوق یکساں ہوں۔ یہ نہیں کہ ملک کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر کے کسی کو مراعات و امتیازات سے نوازا جائے اور کسی کو محکوم بنا کر دبایا' پیسا اور لوٹا جائے۔ اسلامی نظام حکومت میں نسل' رنگ' زبان یا طبقات کی بنا پر کوئی امتیاز نہیں ہے البتہ اصول اور مسلک کے اختلاف کی بنا پر سیاسی حقوق میں یہ فرق ہو جاتا ہے کہ جو اس کے اصولوں کو تسلیم کرے' وہی زمام حکومت سنبھال سکتا ہے۔

قرآن مجید میں فرعون کی حکومت کی برائی ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

"واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا' ان میں سے ایک گروہ کو ذلیل کرتا تھا" (قصص آیت ۴)

۳۔ اقتصادی حقوق

۱۔ قرآن کا معاشی نقطہ نظر

"تیرا رب جس کے لیے چاہتا ہے' رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے' رزق تنگ کر دیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور انہیں دیکھ رہا ہے۔ اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو' ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔" (بنی اسرائیل آیت ۳۰ و ۳۱)

قرآن مجید کا معاشی نقطہ نظر جو مذکورہ آیتوں سے واضح ہو جاتا ہے' یہ ہے کہ رزق اور وسائل رزق میں تفاوت بجائے خود کوئی برائی نہیں ہے جسے مٹانا اور مصنوعی طور پر ایک بے طبقات سوسائٹی پیدا کرنا کسی درجہ میں بھی مطلوب ہو۔ صحیح راہ عمل یہ ہے کہ سوسائٹی کے اخلاق و اطوار اور قوانین عمل کو اس انداز پر ڈھال دیا جائے کہ معاشی تفاوت کسی ظلم و بے

انصاف کا موجب بننے کے بجائے ان بے شمار اخلاقی' روحانی اور تمدنی فوائد و برکات کا ذریعہ بن جائے جن کی خاطر ہی در اصل خالق کائنات نے اپنے بندوں کے درمیان یہ فرق و تفاوت رکھا ہے۔

کھانے والوں کو گھٹانے کی منفی کوشش کے بجائے افزائش رزق کی تعمیری کوششوں کی طرف انسان کو متوجہ کیا گیا ہے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ اے انسان رزق رسانی کا انتظام تیرے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ اس پروردگار کے ہاتھ میں ہے جس نے تجھے زمین میں بسایا ہے' جس طرح وہ پہلے آنے والوں کو روزی دیتا رہا ہے بعد کے آنے والوں کو بھی دے گا۔ تاریخ کا تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ دنیا میں کھانے والی آبادی جتنی بڑھتی گئی' اتنے ہی معاشی ذرائع وسیع ہوتے چلے گئے۔

۲۔ دولت کی گردش

"تا کہ وہ تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔" (سورہ حشر آیت ۷)

اس آیت میں اسلامی معاشرے اور حکومت کی معاشی پالیسی کا یہ بنیادی قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ دولت کی گردش پورے معاشرے میں عام ہونی چاہیے' ایسا نہ ہو کہ مال صرف مال داروں ہی میں گھومتا رہے یا امیر روز بروز امیر تر اور غریب دن بدن غریب تر ہوتے چلے جائیں۔ اسی مقصد کے لیے سود حرام کیا گیا ہے' زکوۃ فرض کی گئی' مال غنیمت میں خمس مقرر کیا گیا' صدقات کی تلقین کی گئی' مختلف قسم کے کفاروں کی ایسی صورتیں تجویز کی گئیں جن سے دولت کے بہاؤ کا رخ معاشرے کے غریب طبقات کی طرف پھر جائے۔ میراث کا ایسا قانون بنایا گیا کہ ہر مرنے والے کی چھوڑی ہوئی دولت زیادہ سے زیادہ وسیع دائرے میں پھیل جائے۔ اخلاقی حیثیت سے بخل کو سخت قابل مذمت اور فیاضی کو بہترین صفت قرار دیا گیا۔ غرض وہ انتظامات کیے گئے کہ دولت کے ذرائع پر مالدار اور با اثر لوگوں کی اجارہ داری قائم نہ ہو اور دولت کا بہاؤ امیروں سے غریبوں کی طرف ہو جائے۔

ترجمہ ابو صباحت

انسانی حقوق کا عالمگیر اعلامیہ

تمہید

ہر گاہ کہ نوع انسانی کے جملہ افراد کی فطری تکریم اور ان کے مساوی اور ناقابل انتقال حقوق دنیا میں آزادی، انصاف اور امن کی بنیاد ہیں۔

ہر گاہ کہ انسانی حقوق کو نظر انداز کرنے اور ان کے خلاف ورزی کرنے کا نتیجہ ایسے وحشیانہ اعمال کی صورت میں نکلا ہے، جنہوں نے انسانیت کے ضمیر کو روند ڈالا، اور یہ کہ اب باقاعدہ طور پر اس امر کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ ایک عام آدمی کی سب سے بڑی تمنا ایک ایسی دنیا کی تخلیق ہے جس میں تمام انسان آزادی رائے و عقیدہ سے اور خوف اور محتاجی سے آزاد زندگی سے لطف اندوز ہوں۔

ہر گاہ کہ اگر آخری چارۂ کار کے طور پر جبر اور استبداد کے خلاف انسان کو بغاوت پر اترنے کے لیے مجبور نہیں کرنا ہے تو یہ ضروری ہے کہ قانون کی حکومت کے ذریعے انسانی حقوق کا تحفظ کیا جائے۔

ہر گاہ کہ یہ ضروری ہے کہ قوموں کے درمیان دوستانہ تعلقات کو فروغ دیا جائے۔

ہر گاہ کہ اقوام متحدہ کی اقوام نے منشور میں بنیادی انسانی حقوق پر، انسان کی تکریم و قدر و قیمت پر اور مردوں و عورتوں کے مساوی حقوق پر اپنے ایمان کی توثیق کی ہے اور تہیہ کیا ہے کہ سماجی ترقی اور بہتر معیار زندگی کو وسیع تر آزادی کے ساتھ فروغ دیا جائے۔

ہر گاہ کہ رکن ریاستوں نے باہم عہد کیا ہے کہ اقوام متحدہ سے تعاون کرتے ہوئے انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کا عالمگیر طور پر احترام اور ان کی پابندی کے عمل کو فروغ دیں گی۔

ہر گاہ کہ ان حقوق اور آزادیوں کے بارے میں عام مفاہمت انتہائی اہم ہے تا کہ اس عہد کو مکمل طور پر پورا کیا جائے۔

لہٰذا اب جنرل اسمبلی تمام اقوام کے لیے حصول کے عام معیار کے طور پر انسانی حقوق کے اس عالمگیر اعلامیہ کا اعلان کرتی ہے کہ ان حقوق اور آزادیوں کے لیے احترام کو فروغ دینے کے لیے بتدریج اقدامات کے ذریعے قومی اور بین الاقوامی سطح پر ہر فرد اور معاشرے کا ہر عضو' اس اعلامیہ کو ہمیشہ ذہن میں رکھتے ہوئے' تعلیم و تعلم کے ذریعے جدوجہد کرے گا تا کہ اقوام متحدہ کے رکن ممالک کے مابین اور ان کے زیر تسلط علاقوں میں بھی' ان کو عالمگیر طور پر اور موثر طریقے سے تسلیم کیا جائے اور ان کی پابندی کی جائے۔

مساوات انسانی

۱۔ تمام انسان آزاد اور تکریم و حقوق کے لحاظ سے برابر ہوتے ہیں۔ انہیں پیدائشی طور پر عقل اور ضمیر عطا کیا جاتا ہے اور انہیں ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ سلوک کرنا چاہیے۔

عدم امتیاز

۲۔ ہر شخص کسی بھی قسم کے امتیاز جیسے نسل' رنگ' جنس' زبان' مذہب' سیاسی یا دیگر رائے' قومی یا معاشرتی اصل' جائیداد' پیدائش یا کسی دیگر حیثیت کے بغیر' اس اعلامیہ میں مذکور تمام حقوق اور آزادیوں کا مستحق ہے۔

مزید برآں اگر کوئی ملک یا علاقہ حاکمانہ اختیار رکھتا ہو یا کسی اور بین الاقوامی حیثیت کا مالک ہو' خواہ یہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا اقوام متحدہ کے زیر انتداب ہو یا غیر حکومت خود اختیاری میں ہو یا محدود ا" خود مختار ہو تو ان سب سے تعلق رکھنے والوں میں سے کسی کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔

ذات اور آزادی کا تحفظ

۳۔ ہر شخص زندگی' آزادی اور اپنی ذات کے تحفظ کا حق رکھتا ہے۔

انسداد غلامی

۴۔ کسی شخص کو غلام کی حیثیت سے یا غلامی میں نہیں رکھا جائے گا' غلامی اور غلامی کی تجارت اپنی تمام صورتوں میں ممنوع ہوگی۔

تشدد کا خاتمہ

۵۔ کسی شخص کو تشدد اور ظلم کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا اور کسی شخص کے ساتھ غیر انسانی اور ذلت آمیز سلوک نہیں کیا جائے گا' یا ایسی سزا نہیں دی جائے گی۔

فرد کی حیثیت سے شناخت

۶۔ ہر شخص ہر جگہ قانون کے سامنے ایک فرد کی حیثیت سے پہچانے جانے کا حق رکھتا ہے۔

قانونی مساوات

۷۔ قانون کی نظر میں سب مساوی حیثیت رکھتے ہیں اور کسی امتیاز کے بغیر مساوی قانونی تحفظ کا حق رکھتے ہیں' ان کو اس اعلامیہ کی خلاف ورزی کی صورت میں کسی امتیاز کے بغیر تحفظ حاصل ہے اور اس امتیاز پر اشتعال پیدا کرنے کی صورت میں بھی۔

موثر داد رسی

۸۔ دستور یا قانون نے جو بنیادی حقوق عطا کیے ہوں' ان کی خلاف ورزی کرنے پر متاثرہ شخص کو مجاز قومی عدالتوں سے موثر داد رسی حاصل کرنے کا حق ہے۔

ناجائز حبس و جلاوطنی

۹۔ کسی شخص کو من مانے طور پر محبوس یا جلا وطن نہیں کیا جائے گا۔

منصفانہ سماعت

۱۰۔ ہر شخص مکمل مساوات کے ساتھ اس امر کا مستحق ہے کہ آزاد اور غیر جانبدار عدالت میں اس کے حقوق اور فرائض کے تعین میں اور اس کے خلاف فوجداری جرم میں منصفانہ اور کھلے بندوں سماعت کی جائے۔

دفاع کے لیے ضروری سہولتیں

۱۱۔ (۱) ہر شخص' جس پر کسی تعزیری جرم کا الزام لگایا جائے' اس امر کا حق رکھتا ہے کہ اسے اس وقت تک بے گناہ سمجھا جائے' جب تک کھلی عدالت میں قانون کے مطابق وہ قصور وار ثابت نہ ہو جائے' جب کہ اس عدالت میں دفاع کے لیے اسے ضروری سہولتوں

کی ضمانت میسر ہو۔

(۲) کسی شخص کو ایسے فعل یا ترک فعل کی وجہ سے تعزیری جرم کا مجرم قرار نہیں دیا جائے گا' جو ایسے جرم کے ارتکاب کے وقت کسی قومی یا بین الاقوامی قانون کی رو سے تعزیری جرم کی حیثیت نہیں رکھتا تھا' نہ ہی اس سے شدید سزا دی جائے گی جو ارتکاب جرم کے وقت اطلاق پذیر تھی۔

خلوت میں مداخلت

۱۲۔ من مانے طور پر کسی شخص کی خلوت' خاندان' گھر یا خط و کتابت میں مداخلت نہیں کی جائے گی' اور نہ ہی اس کی عزت اور شہرت پر کوئی حملہ کیا جائے گا۔ ہر شخص کو ایسی مداخلت یا حملے کے خلاف قانون کے تحفظ کا حق حاصل ہو گا۔

نقل و حرکت و رہائش کی آزادی

۱۳۔ (۱) ہر شخص کو اس کے ملک کے حدود میں نقل و حرکت اور رہائش کی آزادی کا حق ہو گا۔

(۲) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ بشمول اپنے ملک کے کسی ملک کو چھوڑ سکتا ہے اور اپنے ملک میں واپس آ سکتا ہے۔

پناہ کا حق

۱۴۔ (۱) ہر شخص ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ لے سکتا ہے اور اس پناہ سے مستفید ہو سکتا ہے۔

(۲) یہ حق اس صورت میں استعمال نہیں ہو سکے گا جب غیر سیاسی جرائم کے نتیجے میں دی جانے والی اذیت جائز طور پر دی جائے یا اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف افعال کے ارتکاب کے نتیجے میں دی جانے والی اذیت جائز طور پر دی جائے۔

قومیت

۱۵۔ (۱) ہر شخص کو کوئی قومیت اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔

(۲) کسی شخص کو اس کی قومیت سے من مانے طور پر محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کے قومیت تبدیل کرنے کے حق سے انکار کیا جائے گا۔

آزاد مرضی سے شادی

۱۶۔ (۱) پوری عمر کے مردوں اور عورتوں کو نسل، قومیت یا مذہب کی کسی تحدید کے بغیر، باہم شادی کرنے اور خاندان کی بنیاد رکھنے کا حق حاصل ہے۔ شادی، دوران شادی اور اس کی تنسیخ کے سلسلے میں وہ مساوی حقوق رکھتے ہیں۔

(۲) شادی کے خواہش مند جوڑوں کی آزاد اور پوری مرضی سے ہی شادی کی جا سکے گی۔

(۳) خاندان معاشرے کا قدرتی اور بنیادی اکائی گروپ ہے اور معاشرے اور ریاست کی طرف سے تحفظ کا حق رکھتا ہے۔

جائیداد کا حصول

۱۷۔ (۱) ہر شخص کو خود اپنے لیے اور دوسرے کی شرکت کے ساتھ جائیداد حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔

(۲) کسی شخص کو من مانے طور پر اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

آزادی ضمیر و آزادی عقیدہ

۱۸۔ ہر شخص کو آزادی خیال، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں اپنا مذہب یا عقیدہ تبدیل کرنے اور انفرادی اور اجتماعی طور پر علیحدگی میں یا سب کے سامنے اپنے مذہب یا عقیدے کی تعلیم، اس پر عمل، اس کے مطابق عبادت کرنے اور اس کی پابندی کرنے کی آزادی کا حق شامل ہے۔

آزادی رائے و آزادی اظہار

۱۹۔ ہر شخص کو آزادی رائے اور آزادی اظہار کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں بلا مداخلت رائے رکھنے کی آزادی اور بلا لحاظ علاقائی حدود کسی بھی ذریعے سے اطلاعات اور نظریات تلاش کرنے، حاصل کرنے اور انھیں دوسروں تک پہنچانے کی آزادی شامل ہے۔

اجتماع و جماعت سازی

۲۰۔ (۱) ہر شخص کو پر امن اجتماع اور جماعت سازی کی آزادی کا حق حاصل ہے۔

(۲) کسی شخص کو کسی جماعت سے ملحق ہونے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

حکومت اور ملازمت میں حصہ

۲۱۔ (۱) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ براہ راست یا آزادی سے منتخب نمائندوں کے ذریعے اپنے ملک کی حکومت میں حصہ لے۔

(۲) ہر شخص کو اپنے ملک کی سرکاری ملازمتوں میں مساوی رسائی کا حق حاصل ہے۔

(۳) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتے وقتے سے اور ایسے صحیح انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عالمگیر اور مساوی رائے دہندگی پر مبنی ہوں اور خفیہ یکساں آزاد رائے دہی کے طریقے پر عمل میں آئے گی۔

معاشرتی حقوق

۲۲۔ معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور قومی کوششوں اور بین الاقوامی تعاون کے ذریعے اور ہر ریاست کی تنظیم اور ذرائع کے مطابق ایسے معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق، جو اس کی شخصیت کی تکریم اور آزاد نشو و نما کے لیے ضروری ہوں، حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے۔

روزگار

۲۳۔ (۱) ہر شخص کو کام، ملازمت کا آزادانہ انتخاب، کام کے منصفانہ اور موافق حالات اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق حاصل ہے۔

(۲) ہر شخص کو بلا امتیاز مساوی تنخواہ اور مساوی کام کا حق حاصل ہے۔

(۳) ہر شخص جو کام کرتا ہے، ایسے منصفانہ اور موافق معاوضے کا حق رکھتا ہے جو اس کو اور اس کے خاندان کو زندہ رکھے، اسے انسانی تکریم کے قابل بنائے اور اگر ضروری ہو، معاشرتی تحفظ کے دیگر ذرائع سے اس میں اضافہ کرے۔

(۴) ہر شخص اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ٹریڈ یونین بنانے اور اس میں شامل ہونے کا حق رکھتا ہے۔

آرام و تفریح

۲۴۔ ہر شخص آرام و تفریح کا حق رکھتا ہے، اس حق میں اوقات کار اور باتنخواہ

موقت تعطیل کے بارے میں تحدید کا حق شامل ہے۔

بہتر معیار زندگی اور ماں و بچے کے حقوق

۲۵۔ (۱) ہر شخص کو ایسے معیار زندگی کا حق حاصل ہے جو اس کی اور اس کے خاندان کی صحت اور بہبودی، بشمول غذا، لباس، رہائش، طبی دیکھ بھال اور ضروری سماجی خدمات کے حصول کے لیے کافی ہو، اور وہ بے روزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، پیرانہ سالی یا اس کے اختیار سے باہر کے حالات میں واقع ہونے والی عدم روزگار کی دیگر صورت حال میں تحفظ کا حق رکھتا ہے۔

(۲) ماں اور بچے کو خصوصی توجہ اور مدد کا حق حاصل ہے۔ تمام بچے، خواہ وہ شادی کے نتیجے میں پیدا ہوں یا بغیر شادی کے پیدا ہوں، یکساں سماجی تحفظ سے بہرہ ور ہونے کا حق رکھتے ہیں۔

تعلیم

۲۶۔ (۱) ہر شخص کو تعلیم کے حصول کا حق حاصل ہے۔ تعلیم مفت ہوگی، کم از کم ابتدائی اور بنیادی سطح پر۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی، تکنیکی اور پیشہ ورانہ تعلیم عمومی طور پر میسر کی جائے گی اور اعلیٰ تعلیم تک اہلیت کے مطابق یکساں طور پر ہر شخص کی رسائی ہوگی۔

(۲) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی مکمل نشو و نما اور انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام کی پختگی کا حصول ہوگا۔ تعلیم تمام اقوام، نسلی اور مذہبی گروہوں میں مفاہمت، رواداری اور دوستی کو فروغ دے گی اور قیام امن کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(۳) والدین کو اپنے بچوں کو دی جانے والی تعلیم کے انتخاب کا ترجیحی حق حاصل ہو گا۔

ثقافتی و تخلیقی حقوق

۲۷۔ (۱) ہر شخص کو آزادانہ طور پر معاشرے کی ثقافتی زندگی میں حصہ لینے، فنون لطیفہ سے حظ اٹھانے اور سائنسی ترقی اور اس کے فوائد سے مستفید ہونے کا حق حاصل ہے۔

(۲) ہر شخص سائنسی، ادبی اور فنون لطیفہ کی تخلیقات، جس کا کہ وہ شخص خالق ہو، کے نتیجے میں ظاہر ہونے والے اخلاقی اور مادی فوائد کے تحفظ کا حق رکھتا ہے۔

حقوق کے حصول کے لیے سازگار حالات

۲۸۔ ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظم کا حق رکھتا ہے جس میں اس اعلامیہ میں مندرج حقوق اور آزادیوں کو پورے طور پر حاصل کیا جا سکے۔

حقوق کے سلسلے میں فرد کی ذمہ داری

۲۹۔ (۱) ہر شخص ایسے معاشرے کے قیام کا ذمہ دار ہے جس میں اس کی شخصیت کی آزاد اور مکمل نشو و نما ممکن ہو۔

(۲) اپنے حقوق اور آزادیوں سے استفادہ کرتے ہوئے ہر شخص صرف ایسی پابندیوں کی متابعت کرے گا جو قانون کے ذریعے مقرر کی جائیں گی اور ان قوانین کا صرف یہ مقصد ہو گا کہ دوسروں کے حقوق اور آزادیوں کے احترام کو تسلیم کرایا جائے اور ایک جمہوری معاشرے میں اخلاق، نظم عامہ اور بہبودی عامہ کے منصفانہ تقاضوں کو پورا کیا جائے۔

(۳) ان حقوق اور آزادیوں کو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف کاموں میں استعمال نہیں کیا جائے گا۔

اعلامیہ ہذا کی تعبیر

۳۰۔ اس اعلامیہ میں کسی امر کی ایسی تعبیر نہیں کی جائے گی جس سے کسی ریاست، گروہ یا فرد کو یہ حق ملے کہ وہ اس میں شامل حقوق اور آزادیوں کو تباہ کرنے کے مقصد سے کوئی سرگرمی یا فعل انجام دے سکے۔

(بشکریہ ماہنامہ نوائے قانون اسلام آباد)

اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا چارٹر اور اسلامی تعلیمات

ورلڈ اسلامک فورم کے چیئرمین مولانا زاہد الراشدی نے ۷۔ اپریل ۹۵ء کو مسجد صدیقیہ سیٹلائیٹ ٹاؤن گوجرانوالہ میں فورم کی ماہانہ فکری نشست اور ۱۷۔ اپریل ۹۵ء کو مرکزی جامع مسجد شادمان لاہور میں مسلم ہیومن رائٹس سوسائٹی کی فکری نشست سے مندرجہ بالا موضوع پر تفصیلی خطاب کیا' دونوں خطابات کو یکجا ترتیب کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

بعد الحمد و الصلوۃ! آج ہماری گفتگو کا عنوان ہے "اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا چارٹر اور اسلامی تعلیمات" اور اس کے تحت ہم اس فکری اور نظریاتی کشمکش کا جائزہ لینا چاہتے ہیں جو اس وقت عالمی سطح پر انسانی حقوق اور ان کی تعبیر و تشریح کے حوالے سے جاری ہے۔ انسانی حقوق آج کی دنیا میں سب سے زیادہ زیر بحث آنے والا موضوع ہے اور یہ مغرب کے ہاتھ میں ایک ایسا فکری ہتھیار ہے جس کے ذریعے وہ مسلم ممالک اور تیسری دنیا پر مسلسل حملہ آور ہے۔ مغرب نے انسانی حقوق کے بارے میں اقوام متحدہ کے چارٹر کو مسلمہ معیار کا درجہ دے کر کسی بھی معاملہ میں اس سے الگ رویہ رکھنے والے تیسری دنیا اور عالم اسلام کے ممالک کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دینے کی مہم شروع کر رکھی ہے' جس میں اسے عالمی ذرائع ابلاغ کے ساتھ ساتھ عالم اسلام اور تیسری دنیا میں اپنی ہم نوا لابیوں کا بھرپور تعاون حاصل ہے اور اس نظریاتی و فکری یلغار میں ملت اسلامیہ کے عقائد و احکام اور روایات و اقدار سب سے زیادہ مغربی دانشوروں' لابیوں اور ذرائع ابلاغ کے حملوں کی زد میں ہیں۔

اس کشمکش میں جب ہم اسلام کے عقائد و احکام پر مغربی دانشوروں کے حملوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں یہ یلغار عقائد و احکام اور معاشرت کے تمام شعبوں پر محیط نظر آتی ہے اور اگر آپ گزشتہ ایک دہائی کے دوران پیش آنے والے واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے حالات

کا تجزیہ کریں گے تو آپ کو صورت حال کا نقشہ کچھ یوں نظر آئے گا۔

----- ○ سلمان رشدی کو مغربی ممالک اور ذرائع ابلاغ نے صرف اس "کارنامے" پر آزادی رائے کا ہیرو بنا کے پیش کیا ہے کہ اس نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے ساتھ مسلمانوں کے بے پایاں عشق و محبت پر ضرب لگانے کی کوشش کی اور ملت اسلامیہ کے اس اجماعی عقیدہ کا دائرہ توڑنا چاہا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کے اختلاف' اعتراض اور تنقید سے بالا تر اور غیر مشروط اطاعت کا مرکز ہیں۔

----- ○ تسلیمہ نسرین صرف اس "جرات رندانہ" پر مغرب کی آنکھوں کا تارا بن گئی ہے کہ اس نے قرآن کریم کے ناقابل تغیر و تبدل ہونے کے عقیدہ پر یہ کہہ کر ضرب لگانے کی کوشش کی کہ آج کے حالات کی روشنی میں قرآن کریم میں ترامیم کی ضرورت ہے۔

----- ○ معاشرتی جرائم کی اسلامی سزاؤں ہاتھ کاٹنے' سنگسار کرنے اور کوڑے مارنے کو انسانی حقوق کے منافی قرار دیا گیا ہے' پاکستان کی عدالت عظمیٰ میں مجرم کو کھلے بندوں سزا دینے کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی گردانا گیا ہے اور پاکستان میں برائے نام نافذ چند اسلامی تعزیراتی قوانین کو ختم کرنے کے لیے امریکہ کی طرف سے مسلسل دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔

----- ○ توہین رسالت' پر سزا کے قانون کو انسانی حقوق کے منافی قرار دیا گیا ہے اور اس قانون کے خاتمہ کے لیے دباؤ ڈالنے کے ساتھ ساتھ مغربی حکومتوں کی طرف سے توہین ر سالت' کے مرتکب افراد کی حوصلہ افزائی اور پشت پناہی کا سلسلہ جاری ہے۔

----- ○ قادیانیت کو اسلام سے الگ مذہب قرار دینے اور قادیانیوں کو اسلام کا نام اور مسلمانوں کے مذہبی شعائر کے استعمال سے روکنے کے قانونی و آئینی اقدامات کو بھی انسانی حقوق کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے اور قادیانیوں کو مظلوم قرار دے کر امریکہ کی طرف سے ان کے خلاف مذکورہ اقدامات واپس لینے پر زور دیا جا رہا ہے۔

----- ○ اسلام کے معاشرتی اور خاندانی نظام کو معاشرت کے موجودہ عالمی نظام کے منافی قرار دیا جا رہا ہے اور خاندانی زندگی کے بارے میں بیشتر مسلم ممالک میں مروجہ قوانین کو عالمی معیار کے مطابق بدل دینے کی تلقین کی جا رہی ہے' جس میں شادی کے لیے مذہب کی شرط کو ختم کرنے' آزادانہ جنسی تعلقات کے بھرپور مواقع کی فراہمی' ہم جنس پرستی کو قانونی طور پر تسلیم کرنے اور بن بیاہی ماؤں اور ناجائز بچوں کو سماجی تحفظ فراہم کرنے کے تقاضے بھی شامل ہیں۔

------ ○ اسلام کے عقائد و احکام کے ساتھ مسلمانوں کی غیر مشروط اور وفادارانہ وابستگی کو "بنیاد پرستی" قرار دیا جا رہا ہے اور ایسی دینی تحریکات پر "دہشت گردی" کا لیبل چسپاں کر کے انہیں عالمی ذرائع ابلاغ کے ذریعہ مسلسل کردار کشی کا نشانہ بنایا جا رہا ہے جو متعدد مسلم ممالک میں اسلامی عقائد و احکام کے ساتھ وابستگی کی بنا پر ریاستی تشدد کا نشانہ بننے کی وجہ سے اپنے دفاع میں ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہوئی ہیں یا غیر مسلم ممالک میں موجود مسلم اقلیتوں کی آزادی اور ان کے اسلامی تشخص کے تحفظ کی جدوجہد میں ان کا ساتھ دے رہی ہیں۔

یہ ہے ایک سرسری خاکہ مغرب کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں سامنے آنے والے اعتراضات اور تقاضوں کا جو گزشتہ ایک عشرہ کے دوران منظم مہم اور مربوط نظریاتی جنگ کی شکل اختیار کر چکے ہیں اور جن کے سامنے مسلم ممالک کی بیشتر حکومتیں "سپر انداز" ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ چنانچہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی وزیراعظم نے اپنے حالیہ دورہ امریکہ کے دوران یہ کہہ کر مسلم حکمرانوں کے اسی رجحان کی نشاندہی کی ہے کہ "وہ انٹرنیشنل ازم پر یقین رکھتی ہیں" اس "انٹرنیشنل ازم" کا تصور مغرب کے نزدیک یہ ہے کہ اقوام متحدہ کے منشور کو پوری دنیا کا مشترکہ دستور تسلیم کر کے تمام ممالک اقوام متحدہ کی بالادستی کے سامنے جھک جائیں اور اقوام متحدہ کو کنفیڈریشن طرز کی مشترکہ حکومت قرار دے کر ساری دنیا ایک عالمی برادری کی شکل اختیار کر لے گویا وہ مغرب جس نے گزشتہ ایک سو سال کے دوران نیشنلزم اور قومیت کے نام پر عالم اسلام کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر کے حصے بخرے کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے اب انہی ٹکڑوں کو "انٹرنیشنل ازم" کے نام پر وہ اپنی بالادستی میں ویسٹرن سولائزیشن میں ضم کرنے کے لیے کوشاں ہے اور اس اسکیم کے تانے بانے پوری طرح بنے جا چکے ہیں۔

معزز شرکاء محفل! اس نظریاتی معرکہ اور فکری جنگ میں بنیادی حیثیت اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر اور جنیوا انسانی حقوق کمیشن کے فیصلوں اور قراردادوں کو حاصل ہے۔ "انسانی حقوق کا چارٹر" متن ہے اور جنیوا کنونشن کے فیصلے اور قراردادیں اس کی شرح ہیں جو اس نظریاتی جنگ میں مغرب کے ہاتھ میں ایک مضبوط ہتھیار کا کام دے رہی ہیں۔ مغرب کا کہنا ہے کہ اقوام متحدہ کی رکنیت اختیار کرنے والے تمام ممالک نے انسانی حقوق کے اس چارٹر پر دستخط کر کے اسے تسلیم کر لیا ہے' اس لیے وہ اس کے پابند ہیں اور جن ممالک میں اس چارٹر کے منافی قوانین نافذ ہیں وہ اس بین الاقوامی معاہدہ کی خلاف ورزی کر رہے

ہیں' اس لیے یہ ضروری ہے کہ تمام ممالک خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم اس عالمی معاہدہ کی پابندی کریں اور اپنے اپنے ملک میں رائج قوانین میں ترامیم کر کے انھیں اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر کے ساتھ ہم آہنگ کریں۔

ہمیں مغرب کے اس موقف اور اس کی پشت پر کار فرما عزائم کا سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لینا ہو گا۔ محض جذباتی طور پر اسے مسترد کر دینے سے بات نہیں بنے گی اور "ہم نہیں مانتے" کا خالی نعرہ دنیا بھر کے ان اربوں انسانوں اور عالم اسلام کے ان کروڑوں مسلمانوں کو ہمارے موقف کے بارے میں مطمئن نہیں کر سکے گا جو ورلڈ میڈیا کی براہ راست زد میں ہیں اور جن کی آنکھوں اور کانوں کو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں مغرب کے پراپیگنڈے کا روز مرہ سامنا کرنا پڑتا ہے' اس لیے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ مسلم علماء' دانشور اور دینی ادارے اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر اور جنیوا انسانی حقوق کنونشن کی قرار دادوں اور فیصلوں کا علمی بنیاد پر جائزہ لیں اور مغرب کے اعتراضات و خدشات کا منطق و استدلال کے ساتھ سامنا کر کے انسانی حقوق کے حوالہ سے ملت اسلامیہ کا موقف سامنے لائیں۔ ہمیں انسانی حقوق کے بارے میں معروضی حالات اور انسانی معاشرہ کو درپیش مسائل کی روشنی میں اپنے موقف کا واضح طور پر تعین کرنا ہو گا اور اسے علم اور منطق و استدلال کی بنیاد پر افہام و تفہیم کے جذبہ کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرنا ہو گا ورنہ ہم اس خوفناک نظریاتی جنگ میں اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں ہو سکیں گے۔

اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر اور اس کی تشریح میں جنیوا انسانی حقوق کونشن کی قراردادوں اور فیصلوں کا جائزہ ہمیں دو مرحلوں میں لینا ہو گا۔ پہلے مرحلہ میں ان دونوں کا گہری نظر سے مطالعہ کر کے اور بحث و مذاکرہ کے عمل سے گزر کر ان دونوں کے ان حصوں کی نشاندہی کرنا ہو گی جو ہمارے خیال میں اسلام کے عقائد و احکام سے متصادم ہیں اور جن کو قبول کرنے کی صورت میں ہمیں اپنے دینی عقائد' احکام اور معاشرتی اقدار سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔ انسانی حقوق کے چارٹر اور جنیوا کنونشن کی قراردادوں کے اسلام سے متصادم حصوں کی متعین طور پر نشاندہی کے بعد دنیا بھر کو وسیع پیمانے پر ان سے گلہ کرنا ہو گا اور عالمی سطح پر ان کی تشہیر کرنا ہو گی تاکہ پوری دنیا کے اہل دانش ہمارے موقف کو اچھی طرح سمجھ سکیں جبکہ دوسرے مرحلے پر ہمیں علمی اور منطقی طور پر اسلام کے ان احکام و قوانین اور روایات و اقدار کی بہتری اور افادیت کو ثابت کرنا ہو گا جنہیں انسانی حقوق کے

منافی قرار دیا جا رہا ہے اور جو اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر سے متصادم نظر آ رہے ہیں۔

سامعین محترم! ان گزارشات کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ چنانچہ بحث کے آغاز کے طور پر ہم اس چارٹر کے بعض حصوں کا ابتدائی اور سرسری طور پر جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ یہ چارٹر اقوام متحدہ نے ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو جاری کیا تھا اور اس وقت ہمارے سامنے اس کا اردو متن ہے جو اسلام آباد کے ماہنامہ "نوائے قانون" نے دسمبر ۱۹۹۳ء کے شمارے میں شائع کیا ہے۔ انسانی حقوق کے اس چارٹر کی ۳۰ دفعات ہیں اور اس میں اجتماعی زندگی کے کم و بیش تمام شعبوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔

چارٹر کے ابتدائی مطالعہ میں ہم نے اس کی چند دفعات گفتگو کے لیے منتخب کی ہیں جو ہمارے خیال میں بعض اسلامی قوانین و احکام کو انسانی حقوق کے منافی قرار دینے کا باعث بن رہی ہیں لیکن ان دفعات کو زیر بحث لانے سے پہلے چارٹر کی اعتقادی اور فکری بنیاد کو سمجھنا ضروری ہے۔ یہ چارٹر دراصل مغربی فلسفہ حیات اور ویسٹرن سولائزیشن کا نقطہ عروج ہے جس کے پیچھے یہ سوچ کار فرما ہے کہ مذہب کا تعلق صرف عقیدہ، عبادت اور اخلاقیات سے ہے جس میں ہر انسان آزاد ہے کہ وہ عقیدہ عبادت اور اخلاقیات میں جو رجحان چاہے اختیار کرے اور یہ اس کا ذاتی معاملہ سمجھا جائے جس سے ریاست یا کوئی اور اتھارٹی کسی قسم کا تعرض نہ کرے البتہ انسانی زندگی کے اجتماعی معاملات مثلاً سیاست، قانون، ایڈمنسٹریشن، تجارت، زراعت اور معیشت کے ساتھ مذہب کا کوئی واسطہ نہیں ہے اور ان امور میں ہر قوم اپنے اجتماعی یا اکثریتی رجحانات کے مطابق کوئی بھی نظام اختیار کر سکتی ہے اور وہ نظام مذہب کی کسی بھی قید یا چھاپ سے آزاد ہو گا اسے اصطلاحی طور پر سیکولرازم سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسی سیکولرازم کو قبول کرنے کا ہم سے تقاضہ کیا جا رہا ہے۔ سیکولرازم کا تاریخی پس منظر تو یہ ہے کہ یورپ میں بادشاہ، کلیسا اور جاگیردار کے اتحاد ثلاثہ نے جب غریب عوام پر زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا اور بادشاہت اور جاگیرداری کے خلاف بے بس عوام کی بغاوت میں کلیسا اور پادری نے عوام کا ساتھ دینے کی بجائے بادشاہ اور جاگیردار کا ساتھ دیا تو عوامی انقلاب نے بادشاہت اور جاگیرداری کے ساتھ کلیسا اور پادری کی بساط اقتدار بھی الٹ کر رکھ دی اور مذہب کو اجتماعی زندگی سے بے دخل کر کے اس کا دائرہ کار کلیسا کی چار دیواری کے

اندر محدود کر دیا' لیکن اس تاریخی پس منظر کے پہلو بہ پہلو ایک اعتقادی اور فکری بنیاد بھی ہے جو سیکولرازم اور مغربی جمہوریت کو نظریاتی قوت فراہم کر رہی ہے۔

حضرات محترم! مغرب کے ملحد پرستانہ فلسفے کی بنیاد نظریہ ارتقا پر ہے جس کا خاکہ کچھ اس طرح سے ہے کہ اس دنیا میں جو کسی پیدا کرنے والے اور چلانے والے خدا کے بغیر خود بخود وجود میں آگئی ہے انسانی نسل' حیوانی ارتقا کا نتیجہ ہے جو کیچڑ سے جنم لینے والے کیڑے سے شروع ہو کر مختلف زمانوں میں شکلیں بدلتا ہوا انسان کی صورت اختیار کر گیا ہے اور یہ اس کی آخری اور حتمی شکل ہے' اسی طرح انسانی معاشرہ بھی ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے جو جنگلوں اور غاروں سے شروع ہوا اور مختلف شکلیں بدلتا ہوا اور معاشرت کے مختلف طریقے قوانین اور نظام آزماتا ہوا جمہوریت' سیکولرازم اور ویسٹرن سولائزیشن کی موجودہ شکل اختیار کر گیا ہے اور یہ انسانی معاشرت کی آخری اور مکمل شکل ہے' جس میں اب مزید بہتری کا کوئی امکان نہیں ہے گویا جس طرح نسلی اعتبار سے انسان آخری منزل ہے اور اب اس کے نئی کوئی شکل اختیار کرنے کا امکان نہیں ہے اسی طرح معاشرتی لحاظ سے بھی ویسٹرن سولائزیشن آخری منزل ہے اور اب اس سے بہتر کوئی معاشرتی ڈھانچہ سامنے آنے کا امکان نہیں ہے۔ اسے اینڈ آف دی ہسٹری (END OF THE HISTORY) سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ اور مغربی دانش ور اب ارتقاء کے عمل کے مزید آگے بڑھنے کے امکانات کو مسترد کرتے ہوئے مکمل تباہی کو انسانی زندگی کی اگلی منزل قرار دے رہے ہیں۔

اس طرح جب موجودہ انسانی معاشرہ نہ صرف انسانیت بلکہ پوری کائنات ارضی کی آخری' مکمل اور ترقی یافتہ شکل قرار پاتا ہے اور یہی کائنات وجود کا حاصل ہے تو خیر و شر کا آخری معیار بھی یہی ہے اس لیے جسے یہ انسانی معاشرہ خیر قرار دے دے وہی خیر ہے اور جو اس معاشرہ کے نزدیک شر قرار پائے وہی شر ہے۔ اس کے علاوہ خیر اور شر کو ماپنے اور جانچنے کا کوئی اور پیمانہ موجود نہیں ہے' جس کی بنیاد پر کسی چیز یا کام کے خیر یا شر ہونے کا فیصلہ کیا جا سکے۔

مگر اسلام اس تصور کو سرے سے قبول نہیں کرتا اور اس کے برعکس قرآن و سنت پر یقین رکھنے والے ہر مسلمان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ کائنات کسی حادثہ کی پیداوار نہیں ہے۔ بلکہ اسے کائنات کے مالک و خالق "اللہ تعالیٰ" نے پیدا کیا ہے اور وہی اسے ایک نظم کے ساتھ چلا رہا ہے اسی طرح انسانی نسل کسی ارتقائی عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے

ایک مستقل مخلوق کے طور پر پیدا کیا ہے اور اشرف المخلوقات ٹھہرایا ہے پھر انسانی زندگی کا ایک معاشرہ کی شکل اختیار کر جانا بھی خودرو ارتقائی عمل کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ قرآن کریم کے مطابق نسل انسانی کا پہلا فرد "حضرت آدم" علم' قانون' شرم وحیا' لباس اور مکان کی سہولتیں سے بہرہ ور تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہر باشعور مسلمان یہ عقیدہ بھی رکھتا ہے۔ کہ نسل انسانی اس دنیاوی زندگی میں آسمانی ہدایات کی پابند ہے جو اس کے پاس اس کے خالق و مالک کی طرف سے حضرات انبیا کرام علیہم السلام کے ذریعہ آئی ہیں اور ان ہدایات کی آخری اور مکمل شکل جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہیں جن پر عمل در آمد زندگی کے اگلے اور آخری مرحلہ میں کامیابی کے لیے ضروری ہے۔ اسلامی تعلیمات میں انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ حاصل ہے۔ لیکن اس تفصیل کے ساتھ کہ اس کے لیے" احسن تقویم" کا خطاب بھی استعمال کیا گیا ہے اور اسے "اسفل سافلین" کے مقام کا مستحق بھی قرار دیا گیا ہے۔ گویا انسان اور انسانی معاشرہ کی موجودہ شکل آخری اور حتمی نہیں ہے' یہ امتحانی گزرگاہ ہے جس سے گزر کر اگلی زندگی میں اسے "احسن تقویم" یا "اسفل سافلین" کی منزل سے ہمکنار ہونا ہے۔ اور وہی اس کا اینڈ آف دی ہسٹری (HISTORY END OF THE) ہو گا۔ اس لیے موجودہ انسانی معاشرہ جب آخری اور حتمی منزل نہیں ہے تو اس کی سوچ اور عقل بھی خیر اور شر کا آخری معیار نہیں ہے بلکہ خیر اور شر کا حتمی معیار آسمانی وحی ہے جس کی مکمل شکل جناب محمد رسول اللہ صلی للہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی صورت میں موجود ہے۔

معزز شرکائے محفل ! یہی وجہ ہے کہ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر کی پہلی دفعہ میں تمام انسانوں کو آزادی اور حقوق کے ساتھ ساتھ تکریم میں بھی برابر قرار دیا گیا ہے جبکہ اسلام تمام انسانوں کو تکریم کا یکساں مستحق تسلیم نہیں کرتا۔ اس کا اصول "ان اکرمکم عند اللہ اتقکم" ہے کہ جو اچھے کردار کا حامل ہے وہ تکریم کا مستحق ہے اور جس کا کردار انسانی اخلاق کے مطابق نہیں ہے وہ تکریم کا حق دار نہیں ہے۔ اس پس منظر میں چارٹر کی دفعہ ۵ کا جائزہ لیا جائے تو جرائم کی اسلامی سزاؤں کو غیر انسانی قرار دینے کی وجہ بھی سمجھ میں آجاتی ہے۔ دفعہ ۵ کا عنوان ہے "تشدد کا خاتمہ" اور اس میں کہا گیا ہے کہ

"کسی شخص کو تشدد اور ظلم کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا اور کسی شخص کے ساتھ غیر انسانی اور ذلت آمیز سلوک نہیں کیا جائے گا یا ایسی سزا نہیں دی جائے گی"

گویا اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق کسی مجرم کو دی جانے والی سزا کا تشدد اور تذلیل کی آمیزش سے خالی ہونا ضروری ہے اور جس سزا میں ان میں سے کوئی عنصر موجود ہو گا وہ انسانی حقوق کے منافی قرار پائے گی' اسی بنا پر ہاتھ کاٹنے' کوڑے مارنے اور سنگسار کرنے کی سزاؤں کو انسانی حقوق کے خلاف قرار دیا جا رہا ہے اور اسی بنا پر پاکستان کی عدالت عظمیٰ میں کسی مجرم کو کھلے بندوں سزا دینے کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی سے تعبیر کیا جا چکا ہے۔ جبکہ اسلام میں جرائم پر سخت سزاؤں کا مقصد ہی یہ ہے کہ مجرم کو نصیحت ہو اور دیکھنے والے اس سے عبرت پکڑیں۔ اس کے بعد چارٹر کی دفعہ ۱۶ پر ایک نظر ڈال لیجئے جس میں کہا گیا ہے کہ:

"پوری عمر کے مردوں اور عورتوں کو نسل قومیت یا مذہب کی کسی تحدید کے بغیر باہم شادی کرنے اور خاندان کی بنیاد رکھنے کے حق حاصل ہے' شادی' دوران شادی اور اس کی تنسیخ کے سلسلہ میں وہ مساوی حقوق رکھتے ہیں"

اس دفعہ میں اسلامی تعلیمات کی رو سے چند باتیں غور طلب ہیں' پہلی بات یہ کہ پوری عمر سے کیا مراد ہے؟ "کیونکہ اسلامی احکام میں شادی کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں ہے' دوسری بات یہ کہ "مذہب کی کسی تحدید کے بغیر" کا مطلب واضح ہے کہ کوئی مسلمان مرد کسی بھی غیر مسلم عورت سے اور کوئی مسلمان عورت کسی بھی غیر مسلم مرد سے شادی کر سکتی ہے۔ جبکہ یہ اسلامی تعلیمات کے یکسر منافی ہے۔ تیسری بات یہ کہ شادی کی تنسیخ کے سلسلہ میں دونوں کے مساوی حقوق کا تصور بھی اسلامی احکام کے خلاف ہے۔ کیونکہ اسلام نے طلاق کے بارے میں واضح ترجیحات قائم کی ہیں اور دونوں کو یکساں حقوق بہرحال نہیں دیے ہیں۔ اس کے ساتھ چارٹر کی دفعہ ۲۵ کی شق ۲ کو بھی شامل کر لیں جس میں کہا گیا ہے کہ:

"ماں اور بچے کو خصوصی توجہ اور مدد کا حق حاصل ہے۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہوں یا بغیر شادی کے پیدا ہوں یکساں سماجی تحفظ سے بہرہ ور ہونے کا حق رکھتے ہیں۔"

اور ان دونوں دفعات کے ساتھ گزشتہ برس قاہرہ میں منعقد ہونے والی اقوام متحدہ کی بہبود آبادی کانفرنس کی سفارشات کو بھی سامنے رکھیں جن میں تمام ممالک سے تقاضہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے عوام کو آزادانہ جنسی اختلاط کے مواقع فراہم کریں' اسقاط حمل کی سہولتیں

مہیا کریں' بن بیاہی ماؤں کو سماجی تحفظ سے بہرہ ور کریں اور ہم جنسی کو قانونی جواز کی سند عطا کریں۔

حضرات محترم! اب آپ ان تمام امور کے اشتراک کے ساتھ خاندانی زندگی سے متعلقہ قوانین کے بارے میں اس "عالمی معیار" کو سمجھنے کی کوشش کریں جسے اپنانے کی تمام ممالک کو تلقین کی جا رہی ہے اور یہ تقاضا کیا جا رہا ہے کہ اگر کسی ملک میں اس معیار کے خلاف عائلی قوانین نافذ ہیں تو وہ ان میں ترامیم کر کے انہیں اس عالمی معیار کے مطابق ڈھال لے۔

کم و بیش یہی صورت حال آزادی ضمیر' آزادی عقیدہ' آزادی رائے اور آزادی اظہار کے حوالہ سے انسانی حقوق کے مذکورہ چارٹر کی تصریحات کی بھی ہے جو چارٹر کی دفعہ ۱۸ اور ۱۹ میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کی گئی ہیں:

"ہر شخص کو آزادی خیال' آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا حق حاصل ہے اس حق میں اپنا مذہب اور عقیدہ تبدیل کرنے اور انفرادی و اجتماعی طور پر علیحدگی میں یا سب کے سامنے اپنے مذہب یا عقیدے کی تعلیم' اس پر عمل کرنے' اس کے مطابق عبادت کرنے اور اس کی پابندی کرنے کی آزادی کا حق شامل ہے۔"

"ہر شخص کو آزادی رائے اور آزادی اظہار کا حق حاصل ہے اس حق میں بلا مداخلت رائے رکھنے کی آزادی اور بلا لحاظ علاقائی حدود کسی بھی ذریعے سے اطلاعات اور نظریات تلاش کرنے' حاصل کرنے اور انہیں دوسروں تک پہنچانے کی آزادی شامل ہے۔"

ان دونوں دفعات پر ایک بار پھر غور کر لیجئے اور سلمان رشدی' تسلیمہ نسرین' پاکستان کے چند مسیحی گستاخان رسولؐ اور قادیانیوں سمیت ان تمام طبقوں اور گروہوں کے مبینہ حقوق کا جائزہ لیجئے جن کی پامالی کا ڈھنڈورا پیٹ کر مغرب کی حکومتیں اور ذرائع ابلاغ انسانی حقوق کے حوالہ سے مسلمانوں کے طرز عمل کو مسلسل ہدف تنقید بنا رہے ہیں۔

حضرات مکرم! بات کچھ زیادہ لمبی ہوتی جا رہی ہے اس لیے گفتگو سمیٹتے ہوئے یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر کی بعض دفعات کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ بھی سرسری طور پر کسی لمبی بحث میں الجھے بغیر صرف اس غرض سے کہ ان اعتراضات و شبہات کی نوعیت کا کچھ اندازہ ہو جائے جو انسانی حقوق کے حوالہ سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مغرب کی طرف سے کیے جا رہے ہیں اور مغرب کے ان عزائم کو سمجھنا مشکل نہ

رہے جو اس کشمکش میں اس کے اہداف کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ یہ قطعی طور پر ایک سرسری اور ابتدائی مطالعہ ہے جو علماء کرام اور دانش وروں کو مسئلہ کی سنگینی اور اہمیت کا احساس دلانے کے لیے ہے۔ اصل ضرورت اس امر کی ہے کہ علماء کرام اور اہل دانش اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر اور اس کی تشریح و تعبیر میں جنیوا انسانی حقوق کمیشن کی قرار دادوں اور فیصلوں کا گہری نظر سے مطالعہ کریں اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کی ایک ایک شق کا تجزیہ کریں' اس پر بڑے دینی اداروں اور مدارس میں مذاکروں اور علمی بحث و مباحثہ کا اہتمام کیا جائے' قرآن کریم' حدیث نبویؐ اور فقہ کی تدریس و تعلیم میں اساتذہ ان موضوعات کو اپنی گفتگو کا حصہ بنائیں اور اہل قلم قومی اخبارات اور دینی جرائد میں ان مسائل پر اظہار خیال کریں لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ اس تمام تر گفتگو اور مباحثہ میں سیاسی نعرہ بازی اور مناظرانہ اسلوب سے گریز کرتے ہوئے خالصتاً" علمی زبان اور منطقی و استدلالی انداز اختیار کیا جائے تاکہ ہم دنیا پر اسلام کی حقانیت' افادیت اور ضرورت کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ ملت اسلامیہ کی نئی نسل اور تعلیم یافتہ طبقہ کی غالب اکثریت کو غیر شعوری ارتداد سے بچا سکیں جو اسلام کے احکام و قوانین پر مغربی فلسفہ کے اعتراضات کے مسلسل یکطرفہ پراپیگنڈہ کا کوئی معقول جواب نہ پا کر دھیرے دھیرے اس کے دائرہ اثر میں شامل ہوتے جا رہے ہیں' خدا کرے کہ ہماری علمی شخصیات اور دینی ادارے وقت کے اس سب سے بڑے چیلنج کا صحیح طور پر ادراک کر سکیں۔ آمین یارب العالمین۔

اردو' عربی اور انگریزی کی معیاری کمپوزنگ کے لیے

الشریعہ کمپوزرز گوجرانوالہ

سے رابطہ کیجئے

مناسب نرخ ○ بروقت کام

الشریعہ کمپوزرز' مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ' فون ۲۱۹۶۶۳

مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی (ساہیوال ضلع سرگودھا)

انسانی حقوق کے عالمگیر اعلامیہ پر ایک نظر

انسانی حقوق کا عالمگیر اعلامیہ زیر نظر ہے' اس پر تبصرے کے لیے مختصر طور پر یہ گزارش ہے کہ انسانی حقوق کی تفصیل سے پہلے کہ وہ کون کون سے ہیں اور ان میں سے کون سا حق صحیح ہے اور کون سا غلط' اصولی طور پر اس کا فیصلہ کرنا اور اس کی تعیین ضروری ہے کہ ان حقوق کی تعیین کا حق کس کو ہے اور ان کی تعیین کا معیار کیا ہے؟

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ انسانی حقوق کی تعیین اور تفصیل عقل انسانی کے ذریعے ہو سکتی ہے اور یہی عقل ان انسانی حقوق کی تعیین کا معیار بن سکتی ہے' چنانچہ اسی کو معیار بنا کر انسانی حقوق کا ایک اعلامیہ اقوام متحدہ نے بھی جاری کر رکھا ہے لیکن یہ معیار اور تعیین حقوق کا طریقہ خود عقل کے خلاف ہے اس لیے کہ عقل انسانی میں خلقتاً" بہت فرق ہے۔ کسی کی عقل کم اور کسی کی درمیانی درجہ کی اور کسی کی کامل درجہ کی ہوتی ہے' اور یہ بات مشاہدے سے بداہتا" معلوم اور ثابت ہے۔ خود اس کا فیصلہ کرنا بھی مشکل ہے کہ فلاں شخص کی عقل کس درجہ کی ہے؟ ہر شخص دعویٰ کر سکتا ہے کہ میری عقل کامل درجے کی ہے۔ جب عقل انسانی کے اندر خلقی اور فطری تفاوت پایا جاتا ہے تو اس کو حقوق انسانی کی تعیین کے لیے کیسے معیار بنایا جا سکتا ہے؟

س لیے اسلامی تعلیمات کے مطابق انسانی حقوق کی تعیین کا حق تمام کائنات اور انسانوں کے خالق صرف اللہ رب العزت کو ہی ہے اور جو حقوق اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے معین اور مقرر کر دیے ہیں انہی حقوق کے وہ جائز طور پر مستحق ہیں۔ اپنی طرف سے عقل انسانی کے تجویز کیے ہوئے حقوق' حقوق کہلانے کے ہی مستحق نہیں ہیں۔ اب اس تجویز کی بنیاد پر کسی کے حقوق کا تحفظ کرنا ایسے حقوق کے تحفظ کا دعویٰ کرنا ہے جو در حقیقت حقوق نہیں ہیں بلکہ کسی عقل انسانی کی خود تراشیدہ اور من گھڑت تجویزیں ہیں جن کو وہ دوسرے انسانوں پر بجبر نافذ کرنا چاہتا ہے اور ان کو اپنی عقل کا تابع اور غلام بنا کر دوسروں سے اپنی

عقل کی خدائی منوانا چاہتا ہے۔

ایسے حقوق جس کو عقل انسانی نے تجویز کیا ہو اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ ان کو تجویز کرنے والی عقل کس درجہ کی ہے' ان کو بغیر چوں و چرا تسلیم کر لینا خود عقل کے خلاف ہے اور خالق کائنات کے بجائے عقل انسانی کو خالق کا درجہ دینے کے مترادف ہے۔

مقصد یہ ہے کہ عقل انسانی اول تو خود محدود اور ایک حد پر جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ دوسرے عقلوں میں باہم اختلاف اور تضاد پایا جاتا ہے۔ دو انسانوں کی عقل بھی برابر و مساوی نہیں ہوتی اور اس اختلاف کو مٹایا نہیں جا سکتا' یہ فطری اور خلقی ہوتا ہے اس لیے وہ حقوق کے متعین کرنے کے لیے نہ صرف یہ کہ کافی نہیں بلکہ نہایت درجہ مضرت رساں اور باعث فساد ہے۔

اب صرف ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے کہ وہ ذات گرامی جس نے پوری کائنات کو پیدا کیا وہی ان کے حقوق بھی متعین کرے۔ وہی بتلائے کہ انسانی حقوق کون سے ہیں' اور ان کے تحفظ کا کیا طریقہ ہے۔

خالق کائنات کے بتلائے ہوئے حقوق اور ان کے تحفظ کے طریقے کو بلا چوں و چرا تسلیم کر لینا مخلوق پر اس کا حق ہے' ان کو تسلیم نہ کرنا خالق کی حق تلفی اور اس کی بغاوت ہے۔

اس لیے اللہ کو تسلیم کرنا عقل کا بھی تقاضا ہے اور سطحی نظر سے دیکھنے والوں کو جو ان پر کچھ عقلی اشکالات پیش آتے ہیں وہ ان کی عقل کی کمی اور کج فہمی کی وجہ سے پیش آتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم اور احسان عظیم ہے کہ اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اپنے حقوق کے ساتھ انسانوں کے بلکہ حیوانات کے بھی حقوق متعین کر دیے' خدا اور رسول کے بتلائے ہوئے ان حقوق پر عمل کرنا امن عامہ کا ضامن ہے۔

حقوق انسانی کے دعوے دار عام طور پر خدا اور رسول کی مقرر کردہ سزاؤں کو سخت بتلاتے ہیں۔ اس اعلامیہ میں بھی اس کو "تشدد" کہا گیا ہے' اور ان کو حقوق انسانی کے خلاف کہتے ہیں۔ مگر جن جرائم پر یہ سزائیں مقرر کی گئی ہیں ان کے ارتکاب سے اللہ تعالیٰ اور حقوق انسانی کی کتنی حق تلفی اور خلاف ورزی ہوتی ہے' اس پر غور نہیں کرتے۔ گویا جرائم پیشہ لوگوں پر رحم کے آنسو بہاتے ہیں مگر جن لوگوں کی زندگی ان جرائم پیشہ لوگوں کی وجہ سے خطرے میں ہے' نہ ان کی جان محفوظ' نہ ان کا مال محفوظ' نہ ان کی عزت کا پاس' ان پر

ہمارے ان عقل پرستوں کو رحم نہیں آتا۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک مجرم پر ترس کھانا اور اس سے رحم کا معاملہ کرنا پوری انسانیت پر ظلم کرنے کے مترادف اور امن عامہ کو تباہ کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اسی لیے جب حدود شرعیہ کے احکام قرآن کریم میں نازل فرمائے گئے تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ لا تاخذ کم بھما رافۃ فی دین اللہ (پ ۱۸) یعنی اللہ کی حدود جاری کرنے میں ان مجرموں پر ہرگز ترس نہ کھانا چاہیے۔ دوسری طرف قصاص کو عالم انسانی کے امن کی اساس قرار دیا۔ ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب (پ ۲)

واقعہ بھی یہی ہے کہ ایسی سخت اور عبرتناک سزا' جس کے نفاذ کے بعد اس کی ہیبت لوگوں کے دل و دماغ پر مسلط ہو جائے' اور اس جرم کے پاس جاتے ہوئے بھی بدن پر لرزہ پڑنے لگے' وہی سزا ہمیشہ کے لیے انسداد جرائم اور امن عامہ کا ذریعہ بنتی ہیں۔

اسلامی حدود کے خلاف پروپیگنڈا کرنے والے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جرائم کا انسداد اور امن عامہ کا قیام چاہتے ہی نہیں۔ جن ممالک میں حدود شرعیہ نافذ کی جاتی ہیں' ان کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آ جائے گی کہ وہاں چوری' ڈاکہ' بے حیائی کا نام نظر نہیں آئے گا۔ سعودی عربیہ کے حالات کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

انسانی حقوق کے عالمگیر اعلامیہ میں دفعہ ۲۹ شق نمبر ۲ میں لکھا ہے:

> "اپنے حقوق اور آزادیوں سے استفادہ کرتے ہوئے ہر شخص صرف ایسی پابندیوں کی متابعت کرے گا جو قانون کے ذریعے مقرر کی جائیں گی۔ ان قوانین کا صرف یہ مقصد ہو گا کہ دوسروں کے حقوق اور آزادیوں کے احترام کو تسلیم کرایا جائے اور ایک جمہوری معاشرے میں اخلاق' نظم عامہ اور بہبودی عامہ کے منصفانہ تقاضوں کو پورا کیا جائے"

جب ان قوانین کا مقصد حقوق اور آزادیوں کے احترام کو تسلیم کرایا جانا ہے اور اخلاق' نظم عامہ اور بہبود عامہ کے منصفانہ تقاضوں کو پورا کیا جانا ہے تو اسلامی شرعی سزاؤں پر اعتراض کا کیا موقع ہے؟ کیا قتل انسانی میں دوسرے کی جان کی حق تلفی' مال کی چوری اور ڈاکہ میں دوسرے کی مالی حق تلفی اور زنا میں دوسرے کی بے عزتی اور بے حیائی کا ارتکاب نہیں ہے؟ کیا اس سے معاشرے میں بد اخلاقی نہیں پھیلتی اور نظم عامہ میں خلل واقع نہیں ہوتا؟

اسی طرح مذہب اسلام سے ارتداد اور عقیدے کی تبدیلی سے کیا حق اسلام اور

معاشرۂ اسلامی میں خلل اور نظم عامہ تباہ نہیں ہوتا؟

ہر شخص کو آزادی مذہب کا حق حاصل ہے۔ جو مذہب چاہے رکھے۔ کسی خاص مذہب کے اختیار کرنے پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاتا' لا اکراہ فی الدین "دین کے معاملے میں زبردستی نہیں" کے یہی معنی ہیں۔ لیکن مذہب اسلام کو قبول کر لینے کے بعد پھر اس کو تبدیل کرنا یہ اسلام اور حکومت اسلام کی اہانت اور حق تعالیٰ کی بغاوت ہے۔ سرکاری اہانت اور بغاوت اسی سزا کے لائق ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے مگر اسلام کی رحمت عامہ نے صنف نازک عورت کو اس سزا سے مستثنیٰ کر کے حبس دوام کی سزا اس کے لیے تجویز کر دی۔

اعلامیہ میں اگر آزادی ضمیر اور آزادی عقیدہ (۱۸) کا یہ مقصد ہے کہ تبدیلی مذہب اسلام اور ارتداد کا بھی حق ہے تو قطعاً حق اسلام کے خلاف اور اس کی پامالی ہے۔

علمائے اسلام کی اس پر تحقیقات اور ازالہ شبہات تفصیل کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں۔ اسی طرح آزاد مرضی سے شادی (۱۶)' شادی میں مذہب کی شرط نہ ہونے سے مراد اگر یہ ہے کہ کافر اور مسلم کا نکاح آپس میں ہو سکتا ہے تو یہ بھی قرآنی حکم کے خلاف ہونے کے ساتھ معاشرتی حقوق کے بھی خلاف ہے۔ اسی عنوان کے تحت یہ جو لکھا ہے کہ "اس کی تنسیخ کے سلسلہ میں وہ مساوی حقوق رکھتے ہیں" اس سے مراد اگر یہ ہے کہ طلاق کا اختیار مرد کی طرح عورت کو بھی حاصل ہے تو یہ قطعی طور پر خلاف اسلام ہے اور معاشرے میں فساد کا سبب ہے اور مرد کے حق پر ڈاکہ ہے۔

خلاصہ گزارش یہ ہے کہ حق انسانی وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے مقرر فرما دیا ہے' کسی کی عقل کا چاہے وہ شخص واحد ہو یا کوئی ادارہ ہو' مقرر کیا ہوا کوئی حق' حق نہیں ہوتا۔ وماذا بعد الحق الا الضلال

سہ ماہی الشریعہ کا آئندہ شمارہ

پاکستان میں نفاذ شریعت میں ناکامی کے اسباب

کے عنوان پر اپریل میں منظر عام پر آئے گا' ان شاء اللہ

مولانا محمد مشتاق احمد استاذ جامعہ عربیہ چنیوٹ

انسانی حقوق کے چارٹر کی بعض متنازعہ شقیں

حق و صداقت کی ہمیشہ کفر و ضلالت سے ٹکر رہی ہے اور رہے گی' مسلمان جب تک دین اسلام کے تقاضوں کو سمجھتے اور ان پر عمل کرتے رہے' طاغوتی طاقتوں پر انھیں ہمیشہ غلبہ حاصل رہا۔ لیکن جیسے ہی مسلمانوں نے قرآن و سنت کو سمجھنا اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور حرص و ہوس میں مبتلا ہو گئے' تب نفسانی خواہشات کی غلامی کے ساتھ ساتھ انھیں اغیار کی غلامی کا طوق بھی گلے میں ڈالنا پڑا۔ سامراجی طاقتوں نے مسلمانوں کو دام ہمرنگ زمیں میں ایسا پھنسایا اور ایسا میٹھا زہر کھلایا کہ مسلمان' اسلامی فکر سے ہی محروم یا کمزور پڑتے چلے گئے۔ اس وقت بیشتر مسلم ممالک کے سربراہ سامراجی طاقتوں کے لیے فدویانہ جذبات رکھتے ہیں اور ان کے مفادات کی تکمیل کے لیے کام کرنا باعث فخر سمجھتے ہیں۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ :

مچھلی نے ڈھیل پائی ہے' لقمے پہ شاد ہے
صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی

افسوس کا مقام ہے کہ مسلم ممالک نے بھی اقوام متحدہ کے اغراض و مقاصد اور چارٹر کو (جو سراسر سامراجی عزائم کی تکمیل کرتے ہیں) تقدس کا درجہ دے رکھا ہے۔ قاہرہ کانفرنس' بیجنگ کانفرنس وغیرہ عالمی کانفرنسوں میں مسلم ممالک کی پر جوش شرکت اور ان کے اختتام پر جاری کردہ اعلامیوں کی تکمیل کے وعدوں بلکہ ارادوں کو بے حمیتی کے سوا کیا نام دیا جا سکتا ہے؟

اقوام متحدہ کے منشور کی بعض شقوں پر تنقید سے کسی کو چیں بچیں نہیں ہونا چاہیے کیونکہ انسانی حقوق کے زیر بحث چارٹر میں یہ لکھا ہے: "ان حقوق اور آزادیوں کو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف کاموں کے لیے استعمال نہیں کیا جائے گا۔"

ہماری گزارش ہے کہ بالکل اسی طرح ہم مسلمانوں کو یہ کہنے کا حق ملنا چاہیے کہ "ان

حقوق اور آزادیوں کو اسلام کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف استعمال نہیں کیا جائے گا"

یہ ہماری دینی حمیت کا تقاضا اور قرآن و سنت کی روح ہے' مسلمانوں کو اس حق سے محروم کرنا انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔

بنیاد ہی غلط ہے

اس چارٹر کی تمہید میں انسانی حقوق کے مرتب کرنے کی جو وجوہ لکھی ہیں' ان میں سے ایک شق یہ ہے

"ہر گاہ کہ اقوام متحدہ کی اقوام نے منشور میں بنیادی انسانی حقوق پر انسان کی تکریم اور قدر و قیمت پر اور مردوں و عورتوں کے مساوی حقوق پر اپنے ایمان کی توثیق کی ہے اور تہیہ کیا ہے کہ سماجی ترقی اور بہتر معیار زندگی کو وسیع تر آزادی کے ساتھ فروغ دیا جائے۔"

مردوں اور عورتوں کے مساوی حقوق کا نعرہ سراسر غیر اسلامی ہے اور غیر اسلامی نعرہ کی بنیاد پر ترتیب پانے والا منشور اسلامی کیسے ہو سکتا ہے؟ مرد و زن کے درمیان مساوات جاری کرنے سے یورپ جس جہنم میں جل رہا ہے وہ کسی صاحب شعور پر مخفی نہیں۔ خاندانی نظام حیات تلپٹ ہو چکا ہے۔ زنا' چوری' ڈکیتی' قتل وغیرہ کی وارداتیں روز افزوں ہیں' اخلاقیات کا جنازہ نکل چکا ہے۔ جرائم کے یہ "تحفے" اب یورپ و امریکہ' اقوام متحدہ کی وساطت سے مسلم ممالک کو ارسال کرنا چاہتے ہیں بلکہ تدریجاً" ارسال کر رہے ہیں۔

شادی کی آزادی

اس بارے میں دو شقیں ہیں:

"پوری عمر کے مردوں اور عورتوں کو نسل' قومیت یا مذہب کی کسی تحدید کے بغیر باہم شادی کرنے اور خاندان کی بنیاد رکھنے کا حق حاصل ہے۔ شادی' دوران شادی اور اس کی تنسیخ کے سلسلہ میں وہ مساوی حقوق رکھتے ہیں"

"شادی کے خواہش مند جوڑوں کی آزاد اور پوری مرضی سے ہی شادی کی جا سکے گی"

یہ دونوں شقیں سراسر غلط ہیں۔ اس فلسفہ کی بنیاد' مرد و زن میں مساوات کے غیر اسلامی نظریہ پر رکھی گئی ہے۔ یہ بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔ اسلام مسلمان مرد کو صرف مسلمان عورت یا کتابی عورت سے شادی کی اجازت دیتا ہے۔ اسی طرح مسلمان عورت

صرف مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔ علی الاطلاق مذہب کی قید اٹھا دینا قطعاً درست نہیں ہے۔ کسی مسلمان مرد یا عورت کا مذہب اسلام کی قید اٹھا کر شادی کے جواز کا نظریہ رکھنا کفر محض اور قرآن مجید کا انکار ہے۔

اسلام شادی میں اگرچہ جبر کا قائل نہیں ہے' زوجین کی مرضی سے نکاح کرنا ضروری ہے' لیکن اس مرضی کو اتنی وسعت دینا کہ مذہب کا خیال ہی نہ رہے' بالکل غلط ہے۔

بدکاری کا تحفظ

اس شق کے الفاظ یہ ہیں :

"ماں اور بچے کو خصوصی توجہ اور مدد کا حق حاصل ہے' تمام بچے خواہ وہ شادی کے نتیجہ میں پیدا ہوں یا بغیر شادی کے پیدا ہوں' یکساں سماجی تحفظ سے بہرہ ور ہونے کا حق رکھتے ہیں"

یہ درست ہے کہ بچہ کو بہرحال سماجی تحفظ ملے گا کیونکہ ولد الحلال یا ولد الحرام ہونے میں اس کا کوئی دخل نہیں ہے۔ ہاں اس کا نسب ضرور مجروح ہو گا' لیکن اسلامی معاشرہ میں کسی عورت کو بغیر شادی کے بچہ پیدا کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اور اگر کوئی عورت ایسا کرتی ہے تو اسے اسلامی حدود کے تحت سزا ملے گی' ایسی بدکار عورت کو اسلام کوئی تحفظ فراہم نہیں کر سکتا۔

ثقافتی حقوق

اس کے تحت حسب ذیل دو شقیں ہیں :

"ہر شخص کو آزادانہ طور پر معاشرے کی ثقافتی زندگی میں حصہ لینے' فنون لطیفہ سے حظ اٹھانے اور سائنسی ترقی اور اس کے فوائد سے مستفید ہونے کا حق حاصل ہے"

"ہر شخص سائنسی' ادبی اور فنون لطیفہ کی تخلیقات جس کا وہ خالق ہو' کے نتیجہ میں ظاہر ہونے والے اخلاقی اور مادی فوائد کے تحفظ کا حق رکھتا ہے"

نسیم اللغات ص ۶۸۳ پر فنون لطیفہ کے یہ معانی لکھے ہیں : "جمالیات' مصوری' شاعری' رقاصی' موسیقی"

اسلام میں مصوری' رقاصی و موسیقی ممنوع ہے۔ ماڈرن اسلام کے دعوے دار اور جدیدیت کے مدعی حضرات کی روش قابل توجہ نہیں ہے۔ اس بارے میں صرف چندین

علمائے کرام کا فتویٰ قابل قبول ہے۔ اسلامی احکامات کی خلاف ورزی اگر ضرور ہی کرنی ہو تو گناہ سمجھ کر ہی کرنی چاہیے۔ انہیں قرآن و حدیث کا لبادہ پہنا کر تحفظ فراہم کرنے سے بچنا چاہیے کیونکہ اس سے ایمان ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔

آزادی مذہب کا حق

اقوام متحدہ کے چارٹر میں الفاظ یہ ہیں:

"ہر شخص کو آزادی خیال' آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا حق حاصل ہے' اس حق میں اپنا مذہب اور عقیدہ تبدیل کرنے اور انفرادی و اجتماعی طور پر علیحدگی میں یا سب کے سامنے اپنے مذہب یا عقیدے کی تعلیم' اس پر عمل' اس کے مطابق عبادت کرنے اور اس کی پابندی کرنے کی آزادی کا حق شامل ہے"

اسلامی تعلیمات کی رو سے کسی غیر مسلم کو تو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مثلاً" عیسائی سے یہودی' یہودی سے کیمونسٹ' ہندو سے سکھ' مجوسی سے دہریہ ہو جائے یا اللہ تعالیٰ اگر توفیق دے تو مسلمان ہو سکتا ہے' لیکن یاد رکھیں کہ مسلمان ہونے کا مطلب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حلف وفاداری ہے اور ترک اسلام کا مطلب اللہ تعالیٰ سے بغاوت ہے' ظاہر ہے کہ کوئی حاکم' اپنے ملازمین کو باغی ہونے اور بغاوت پر جمے رہنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اگر وہ سمجھانے پر بغاوت سے باز نہ آئیں تو ان کے لیے سزائے موت تجویز کی جاتی ہے۔

اسی طرح شریعت محمدیہ میں ہر شخص کو یہ آزادی حاصل ہے کہ مسلمان ہو یا نہ ہو۔ کوئی زبردستی نہیں ہے' لیکن مسلمان ہونے کے بعد جبکہ وہ خدا اور رسول اللہؐ سے حلف وفاداری اٹھا چکا ہے' اسے دین اسلام چھوڑ کر باغی ہونے کی اجازت ہرگز نہیں ہے۔ اگر وہ سمجھانے پر بھی باز نہیں آتا تو ایسے باغی کے لیے فرمان نبویؐ ہے من ارتد فاقتلوہ "جو دین اسلام سے پھر جائے' اسے قتل کر دو" (بخاری و مسلم) اس لیے کسی مسلمان کو تبدیلی مذہب کی اجازت نہیں ہے۔

نیز یہ بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ ایک اسلامی سلطنت میں غیر مسلم اقلیتی گروہ کو اپنی مرضی کے مطابق عبادت کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس بارے میں اسلام خاصا فراخ دل ہے' حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں کو مسجد نبوی میں اپنے طریقہ پر نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی۔ (کتب سیرۃ) لیکن کسی غیر مسلم کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ آزادی رائے اور آزادی اظہار کے نام پر مسلمانوں کو دعوت و تبلیغ اور مرتد بنانے کا کام

شروع کر دے۔ یہ آزادی اظہار نہیں بلکہ آزادی اظہار کے نام پر مسلمانوں کے معاملات میں مداخلت ہے جو کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

آزادی رائے اور آزادی اظہار کا حق

اس شق کے الفاظ یہ ہیں:

"ہر شخص کو آزادی رائے اور آزادی اظہار کا حق حاصل ہے، اس حق میں بلا مداخلت رائے رکھنے کی آزادی اور بلا لحاظ علاقائی حدود کسی بھی ذریعے سے اطلاعات و نظریات تلاش کرنے، حاصل کرنے اور انہیں دوسروں تک پہنچانے کی آزادی شامل ہے۔"

آج کے دور میں اسلام دشمن قوتیں آزادی رائے، آزادی اظہار کے نعروں کو مسلمانوں کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہی ہیں۔ اس جدید فتنہ کے بارے میں اقبال مرحوم نصف صدی قبل ہی کہہ گئے تھے۔

اس قوم میں ہے شوخی اندیشہ خطرناک
جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد
گو فکر خداداد سے روشن ہے زمانہ
آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد

آزادی رائے و اظہار کے علمبرداروں سے ایک سوال ہے کہ آپ کی آزادی رائے و اظہار سے مراد کیا ہے؟ اس آزادی رائے و اظہار کے لیے کوئی شرائط و قیود بھی ہیں یا نہیں؟ اگر شرائط و قیود ہیں تو کیا ہیں؟

ظاہر ہے کہ کسی کو بھی مادر پدر آزاد قسم کی آزادی رائے کا حق نہیں دیا جا سکتا۔ کسی بھی مہذب ملک میں آزادی رائے و اظہار کے لیے حسب ذیل شرائط عائد کی جاتی ہیں۔ (یاد رہے آزادی اظہار میں آزادی تقریر و تحریر اور تنظیم سازی کی آزادی شامل ہے)

۱۔ آزادی رائے کو حکومت کے خلاف بغاوت پر اکسانے کے لیے استعمال نہ کرے۔
۲۔ ایسی کارروائیاں نہ کرے جس سے امن عامہ کا مسئلہ پیدا ہو۔
۳۔ اس سے لوگوں کا امن و سکون غارت نہ ہونا چاہیے۔
۴۔ کسی کے نجی معاملات میں مداخلت نہ کرے۔
۵۔ کوئی ایسی تنظیم نہ بنائے جو ملکی قوانین کے خلاف ہو۔

۶۔ ایسی تحریر و تقریر جس سے اکثریت کے جذبات مجروح ہوتے ہوں' اجتناب کرے۔
دنیا کے بیشتر ممالک میں مذکورہ شرائط کے ساتھ رائے و اظہار کی آزادیاں حاصل ہیں اور اسے انسانی حقوق میں شامل کیا جاتا ہے اور مذکورہ شرائط کی خلاف ورزی کرنے والوں پر تعزیری قوانین نافذ کیے جاتے ہیں۔ لیکن اگر مسلمان ممالک میں سے کوئی ملک اپنی دینی و نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لیے شرائط مذکورہ کی خلاف ورزی کرنے والے کسی گروہ پر کوئی قدغن لگاتا ہے تو اسے انسانی حقوق کی خلاف ورزی قرار دیا جاتا ہے۔

تمہاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو میرے نامہ سیاہ میں ہے

اس پر اقوام متحدہ' انسانی حقوق کی عالمی تنظیموں اور وائٹ ہاؤس کے ذریعے مسلم ممالک پر دباؤ ڈالا جاتا ہے' ان کی اقتصادی و فوجی مدد بند کی جاتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اسلام کا نام لینا' اسلام کی سرحدوں کا تحفظ کرنا مغرب و امریکہ کی نظر میں بہت بڑا جرم ہے اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے الزامات اسی تعصب کا شاخسانہ ہیں۔

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانوں میں
کہ اکبر خدا کا نام لیتا ہے اس زمانے میں

اسی سوال کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ:

--- ○ مقبوضہ کشمیر میں آزادی رائے و اظہار پر مکمل پابندی ہے' پاکستان پر لگائی جانے والی پابندیاں وہاں کیوں نہیں؟

--- ○ الجزائر میں امریکہ اور دیگر مغربی ممالک فوجی انقلاب کی پشت پناہی کیوں کر رہے ہیں؟ وہاں انتخابات کے نتائج کو کیوں ہائی جیک کیا گیا؟ کیا یہ آزادی رائے و اظہار کے حق کی خلاف ورزی نہیں ہے؟

--- ○ مصر میں دینی تنظیموں پر طویل عرصہ سے پابندی ہے اور دینی رہنما پابند سلاسل ہیں جس کی وجہ سے وہ زیر زمین سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے ہیں جو کہ بہرحال ناپسندیدہ ہے۔ اس سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان کو اس انتہا پسندی تک کس نے پہنچایا؟ ۲۰ ـ ۳۰ برس سے ان کے انسانی حقوق غصب ہو رہے ہیں لیکن عالمی طاقتیں خاموش تماشائی ہیں' آخر کیوں؟

--- ○ امریکہ کا لے پالک اسرائیل' فلسطینیوں کے حقوق کئی برسوں سے غصب کیے

بیٹھا ہے' اس پر کوئی پابندی نہیں بلکہ الٹا اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

—— ○ بوسنیا اور برما میں ہزاروں مسلمان قتل اور لاکھوں دربدر ہو چکے ہیں' انسانی حقوق کے ٹھیکے دار وہاں کیا کر رہے ہیں؟

در اصل امریکہ اور اقوام متحدہ کا مسلم ممالک کے لیے اور غیر مسلم ممالک کے لیے جدا جدا معیار ہے۔ جدا جدا ترازو ہیں۔ ہر مسلمان کو اس پر غور و فکر کرنا چاہئے اور ان کے دلکش نعروں والے پروگراموں کی اصلیت کا پتہ لگاتے رہنا چاہئے۔

حکومت اور ملازمت میں حصہ

اس عنوان کے تحت دو شقیں ہیں:

"ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ براہ راست یا آزادی سے منتخب نمائندوں کے ذریعے اپنے ملک کی حکومت میں حصہ لے۔"

"ہر شخص کو اپنے ملک کی سرکاری ملازمتوں میں مساوی رسائی کا حق حاصل ہے۔"

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اسلامی مملکت میں ہر شخص کو انتخاب میں حصہ لینے اور سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا حق حاصل ہے' لیکن وہ عہدے جن سے اسلامی مملکت کے راز معلوم ہوتے ہوں یا دفاعی نوعیت کے حساس معاملات ہوں یا صدر' وزیر اعظم کا منصب ہو' اس پر کسی غیر مسلم کو فائز نہیں کیا جا سکتا۔

سافٹ ویئر' ہارڈ ویئر' سیل اینڈ سروس کے لیے

کمپیوٹر لینڈ انٹرنیشنل

سے رابطہ قائم کریں۔

ہسپتال روڈ سول لائن گوجرانوالہ فون: 81171

تقریر : مولانا محمد تقی عثمانی
ضبط و ترتیب : مولانا منظور احمد الحسینی

انسانی حقوق اور سیرت نبویؐ

۳۱ اگست ۹۳ء کو اسلامک سنٹر سیلون روڈ اپٹن پارک لندن میں ورلڈ اسلامک فورم کے زیر اہتمام سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان پر جلسہ عام منعقد ہوا' جس کی صدارت مولانا مفتی عبد الباقی نے کی اور مولانا زاہد الراشدی' مولانا منظور الحسینی' مولانا محمد عیسیٰ منصوری اور مولانا عبد الرشید رحمانی کے علاوہ جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی نے "سیرت النبی اور انسانی حقوق" کے عنوان پر مندرجہ ذیل مفصل خطاب کیا۔

حضرات علمائے کرام' جناب صدر محفل اور معزز حاضرین!

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ!

ہمارے لئے یہ بڑی سعادت اور مسرت کا موقع ہے کہ آج اس محفل میں' جو نبی کریم سرور دو عالمؐ کے مبارک ذکر کیلئے منعقد ہے' ہمیں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جمیل انسان کی اتنی بڑی سعادت ہے کہ اس کے برابر اور کوئی سعادت نہیں۔ کسی شاعر نے کہا ہے: ع

ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے

اور حبیب کا تذکرہ بھی حبیب کے وصال کے قائم مقام ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس ذکر کو یہ فضیلت عطا فرمائی ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے دس رحمتیں اس پر نازل ہوتی ہیں۔ تو جس مجلس کا انعقاد اس مبارک تذکرہ کیلئے ہو اس میں شرکت' خواہ

ایک مقرر اور بیان کرنے والے کی حیثیت میں ہو یا سامع کی حیثیت میں' ایک بڑی سعادت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی برکات ہمیں اور آپ کو عطا فرمائے۔

تذکرہ ہے نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا اور سیرت طیبہ ایک ایسا موضوع ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے صرف ایک پہلو کو بھی بیان کرنا چاہے تو پوری رات بھی اس کیلئے کافی نہیں ہو سکتی' اس لئے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود میں اللہ جل جلالہ نے تمام بشری کمالات' جتنے متصور ہو سکتے تھے' وہ سارے کے سارے جمع فرمائے۔ یہ جو کسی نے کہا تھا کہ۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تو یہ کوئی مبالغے کی بات نہیں تھی۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس انسانیت کیلئے اللہ جل جلالہ کی تخلیق کا ایک ایسا شاہکار بن کر تشریف لائے تھے کہ جس پر کسی بھی حیثیت سے' کسی بھی نقطہ نظر سے غور کیجئے تو وہ کمال ہی کمال کا پیکر ہے۔ اس لئے آپ کی سیرت طیبہ کے کس پہلو کو آدمی بیان کرے' کس کو چھیڑے' انسان کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

زفرق تابقدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دل مے کشد کہ جا اینجا است

اور غالب مرحوم نے کہا تھا۔

کہ غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

انسان کے تو بس ہی میں نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کا حق ادا کر سکے۔ ہمارے یہ ناپاک منہ' یہ گندی زبانیں اس لائق نہیں تھیں کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے کی بھی اجازت دی جاسکتی' لیکن یہ اللہ جل جلالہ کا کرم ہے کہ اس نے نہ صرف اجازت دی بلکہ اس سے راہنمائی اور استفادے کا بھی موقع عطا فرمایا۔ اس واسطے موضوعات تو سیرت کے بے شمار ہیں' لیکن میرے مخدوم اور محترم حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب' اللہ تعالیٰ ان کے فیوض کو جاری و ساری فرمائے' انہوں نے حکم دیا کہ سیرت طیبہ کے اس پہلو پر گفتگو کی جائے کہ نبی کریم سرور دو عالم

صلی اللہ علیہ وسلم انسانی حقوق کیلئے کیا راہنمائی اور ہدایت لے کر تشریف لائے اور جیسا کہ انہوں نے ابھی فرمایا' اس موضوع کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں پروپیگنڈہ کا بازار گرم ہے کہ اسلام کو عملی طور پر نافذ کرنے سے ہیومن رائٹس مجروح ہوں گے' انسانی حقوق مجروح ہوں گے اور یہ پبلسٹی کی جارہی ہے کہ گویا ہیومن رائٹس کا تصور پہلی بار مغرب کے ایوانوں سے بلند ہوا اور سب سے پہلے انسان کو حقوق دینے والے یہ اہل مغرب ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات میں انسانی حقوق کا معاذ اللہ کوئی تصور موجود نہیں۔ تو یہ موضوع جب انہوں نے گفتگو کیلئے عطا فرمایا تو ان کے تعمیل حکم میں اسی موضوع پر آج اپنی گفتگو کو محصور کرنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن موضوع ذرا تھوڑا سا علمی نوعیت کا ہے اور ایسا موضوع ہے کہ اس میں ذرا زیادہ توجہ اور زیادہ حاضر دماغی کی ضرورت ہے' تو اس سلسلے میں آپ حضرات سے درخواست ہے کہ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اور اس کی نزاکت کو مد نظر رکھتے ہوئے ذرا براہ کرم توجہ کیساتھ سماعت فرمائیں۔ شاید اللہ تبارک تعالیٰ ہمارے دل میں اس سلسلے کے اندر کوئی صحیح بات ڈال دے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے' جس کا جواب دینا منظور ہے' کہ آیا اسلام میں انسانی حقوق کا کوئی جامع تصور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں ہے یا نہیں؟ یہ سوال اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ یہ اس دور کا عجیب و غریب رجحان ہے کہ انسانی حقوق کا ایک تصور پہلے اپنی عقل' اپنی فکر' اپنی سوچ کی روشنی میں خود متعین کر لیا کہ یہ انسانی حقوق ہیں' یہ ہیومن رائٹس ہیں اور ان کا تحفظ ضروری ہے اور اپنی طرف سے خود ساختہ جو سانچہ انسانی حقوق کا ذہن میں بنایا اس کو ایک معیار حق قرار دے کر ہر چیز کو اس معیار پر پرکھنے اور جانچنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ پہلے سے خود متعین کر لیا کہ فلاں چیز انسانی حق ہے اور فلاں چیز انسانی حق نہیں ہے اور یہ متعین کرنے کے بعد اب دیکھا جاتا ہے کہ آیا اسلام یہ حق دیتا ہے کہ نہیں دیتا' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حق دیا کہ نہیں دیا؟ اگر دیا تو گویا ہم کسی درجہ میں اس کو ماننے کیلئے تیار ہیں۔ اگر نہیں دیا تو ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ لیکن ان مفکرین اور دانشوروں سے اور ان فکر و عقل کے سورماؤں سے میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ یہ آپ نے جو اپنے ذہن سے انسانی حقوق کے

تصورات مرتب کئے' یہ آخر کس بنیاد پر کئے؟ یہ کس اساس پر کئے؟ یہ جو آپ نے یہ تصور کیا کہ انسانی حقوق کا ایک پہلو یہ ہے' ہر انسان کو یہ حق ضرور ملنا چاہیے' یہ آخر کس بنیاد پر آپ نے کہا کہ ملنا چاہیے؟

انسانیت کی تاریخ پر نظر دوڑا کر دیکھئے تو ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک انسان کے ذہن میں انسانی حقوق کے تصورات بدلتے چلے آئے ہیں۔ کسی دور میں انسان کیلئے ایک حق لازمی سمجھا جاتا تھا' دوسرے دور میں اس حق کو بے کار قرار دے دیا گیا' تیسرے کسی ماحول کے اندر' ایک خطے میں ایک حق قرار دیا گیا دوسری جگہ اس حق کو ناحق قرار دے دیا گیا۔ تاریخ انسانیت پر نظر دوڑا کر دیکھیے تو آپ کو یہ نظر آئے گا کہ جس زمانے میں بھی انسانی فکر نے حقوق کے جو سانچے تیار کئے ان کا پروپیگنڈا' ان کی پبلسٹی اس زور و شور کے ساتھ کی گئی کہ اس کے خلاف بولنے کو جرم قرار دے دیا گیا۔

حضور نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت دنیا میں تشریف لائے تو اس وقت انسانی حقوق کا ایک تصور تھا اور وہ تصور ساری دنیا کے اندر پھیلا ہوا تھا اور اسی تصور کو معیار حق قرار دیا جاتا تھا' ضروری قرار دیا جاتا تھا کہ یہ حق لازمی ہے۔ مثلاً" میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں کہ اس زمانے میں انسانی حقوق ہی کے حوالے سے یہ تصور تھا کہ جو شخص کسی کا غلام بن گیا تو غلام بننے کے بعد وہ صرف جان و مال اور جسم ہی اس کا مملوک نہیں ہوا بلکہ انسانی حقوق انسانی مفادات کے ہر تصور سے وہ عاری ہوگیا۔ آقا کا یہ بنیادی حق ہے کہ اپنے غلام کے گردن میں طوق ڈالے اور اس کے پاؤں میں بیڑیاں پہنائی جائیں۔ یہ ایک تصور تھا۔ آپ کو اس کے اوپر پورا لٹریچر مل جائیگا اس زمانے کے اندر جنہوں نے اس کو جسٹی فائی (Justify) کرنے کیلئے اور اس کو مبنی بر انصاف قرار دینے کیلئے فلسفے پیش کئے تھے۔ یہ دور کی بات ہے' اسے جاہلیت کا زمانہ کہہ لیجئے کہ چودہ سو سال پہلے کی بات ہے' لیکن ابھی قریب سو ڈیڑھ سو سال پہلے کی بات لے لیجئے' جب جرمنی اور اٹلی میں فاشزم نے اور نازی ازم نے سر اٹھایا۔ آج فاشزم اور نازی ازم کا نام گالی بن چکا اور دنیا بھر میں بدنام ہو چکا' لیکن آپ ان کے فلسفے کو اٹھا کر دیکھئے' جس بنیاد پر انہوں نے فاشزم کا تصور پیش کیا تھا اور نازی ازم کا تصور پیش کیا تھا' اس فلسفے کو خالص عقل کی بنیاد پر اگر آپ رد کرنا چاہیں تو آسان نہیں ہوگا۔ انہوں نے یہ تصور پیش کیا تھا کہ جو

طاقت ور ہے اس کا ہی یہ بنیادی حق ہے کہ وہ کمزور پر حکومت کرے اور یہ طاقتور کے بنیادی حقوق میں شمار ہوتا ہے اور کمزور کے ذمہ واجب ہے کہ وہ طاقت کے آگے سر جھکائے۔ یہ تصور ابھی سو ڈیڑھ سو سال پہلے کی بات ہے۔ تو انسانی افکار کی تاریخ میں انسانی حقوق کے تصورات یکساں نہیں رہے' بدلتے رہے۔ کسی دور میں کسی ایک چیز کو حق قرار دیا گیا اور کسی دور میں کسی دوسری چیز کو حق قرار دیا گیا اور جس میں دور جس قسم کے حقوق کے سیٹ کو یہ کہا گیا کہ یہ انسانی حقوق کا حصہ ہے' اس کے خلاف بات کرنا زبان کھولنا ایک جرم قرار پایا۔ تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ آج جن ہیومن رائٹس کے سیٹ کو کہا جا رہا ہے کہ ان ہیومن رائٹس کا تحفظ ضروری ہے' یہ کل کو تبدیل نہیں ہوں گے' کل کو ان کے درمیان انقلاب نہیں آئے گا اور کون سی بنیاد ہے جو اس بات کو درست قرار دے سکے؟

حضور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانی حقوق کے بارے میں سب سے بڑا کنٹری بیوشن (Contribution) یہ ہے کہ آپؐ نے انسانی حقوق کے تعین کی صحیح بنیاد فراہم فرمائی۔ وہ اساس فراہم فرمائی جس کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ کون سے ہیومن رائٹس قابل تحفظ ہیں اور کون سے ہیومن رائٹس قابل تحفظ نہیں۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی اور آپ کی ہدایت کو اساس تسلیم نہ کیا جائے تو اس دنیا کے پاس' اس کائنات کے پاس کوئی بنیاد نہیں ہے جس کی بنیاد پر وہ کہہ سکے کہ فلاں انسانی حقوق لازماً" قابل تحفظ ہیں۔

میں آپ کو ایک لطیفے کی بات سناتا ہوں۔ آج سے تقریباً" ایک سال پہلے' یا کچھ مدت زیادہ ہو گئی' ایک دن میں مغرب کی نماز پڑھ کر گھر میں بیٹھا ہوا تھا تو باہر سے کوئی صاحب ملنے کیلئے آئے۔ کارڈ بھیجا تو دیکھا کہ اس کارڈ پر لکھا ہوا تھا کہ یہ ساری دنیا میں ایک مشہور ادارہ ہے جس کا نام ایمنسٹی انٹرنیشنل ہے' جو سارے انسانی بنیادی حقوق کے تحفظ کا علمبردار ہے' اس ادارے کے ایک ڈائریکٹر پیرس سے پاکستان آئے تھے وہ ملنا چاہتے تھے۔ خیر میں نے بلا لیا' پہلے سے کوئی اپائنٹ منٹس نہیں تھی' کوئی پہلے سے وقت نہیں لیا تھا' اچانک آگئے اور پاکستان کی وزارت خارجہ کے ایک ذمہ دار افسر بھی ان کے ساتھ تھے۔ آپ کو یہ معلوم ہے کہ ایمنسٹی انٹرنیشنل وہ ادارہ ہے جو انسانی حقوق کے تحفظ کیلئے

اور آزادی تقریر و تحریر کیلئے علمبردار کہا جاتا ہے اور پاکستان میں جو بعض شرعی قوانین نافذ ہوئے یا مثلاً" قادیانیوں کے سلسلے میں پابندیاں عائد کی گئیں تو ایمنیسٹی انٹرنیشنل کی طرف سے اس پر اعتراضات و احتجاجات کا سلسلہ رہا۔ تو یہ صاحب تشریف لائے' انہوں نے آکر مجھ سے کہا کہ میں آپ سے اس لئے ملنا چاہتا ہوں کہ میرے ادارے نے مجھے اس بات پر مقرر کیا ہے کہ میں آزادی تحریر و تقریر اور انسانی حقوق کے سلسلے میں ساؤتھ ایسٹ ایشیا کے ممالک کی رائے عامہ کا سروے کروں' یعنی یہ معلوم کروں کہ جنوب مشرقی ایشیا کے مسلمان انسانی حقوق' آزادی تحریر و تقریر اور آزادی اظہار رائے کے بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں اور وہ کس حد تک اس معاملہ میں ہم سے تعاون کرنے پر آمادہ ہیں۔ اس کا سروے کرنے کیلئے میں پیرس سے آیا ہوں اور اس سلسلے میں آپ سے انٹرویو چاہتا ہوں۔ ساتھ ہی انہوں نے معذرت بھی کی کہ چونکہ میرے پاس وقت کم تھا اس لئے میں پہلے وقت نہیں لے سکا' لیکن میں چاہتا ہوں کہ میرے چند سوالات کا آپ جواب دیں تاکہ اس کی بنیاد پر اپنی رپورٹ مرتب کر سکوں۔

تو میں نے ان صاحب سے پوچھا کہ آپ کب تشریف لائے؟ کہا کہ میں کل ہی پہنچا ہوں۔ میں نے کہا آئندہ کیا پروگرام ہے؟ فرمانے لگے کہ کل مجھے اسلام آباد جانا ہے۔ میں نے کہا اس کے بعد؟ کہا کہ اسلام آباد ایک یا دو دن ٹھہر کر پھر میں دہلی جاؤں گا۔ میں نے کہا وہاں کتنے دن قیام فرمائیں گے؟ کہا دو دن۔ میں نے کہا پھر اس کے بعد؟ کہا کہ اس کے بعد مجھے ملائیشیا جانا ہے۔ تو میں نے کہا کل آپ کراچی تشریف لائے اور آج شام کو اس وقت میرے پاس تشریف لائے' کل صبح آپ اسلام آباد چلے جائیں گے' آج کا دن آپ نے کراچی میں گزارا' تو آپ نے کیا کراچی کی رائے عامہ کا سروے کر لیا؟ تو اس سوال پر وہ بڑا سٹپٹائے۔ کہنے لگے اتنی دیر میں واقعی پورا سروے تو نہیں ہو سکتا تھا' لیکن اس مدت کے اندر میں نے کافی لوگوں سے ملاقات کی اور تھوڑا بہت اندازہ مجھے ہو گیا ہے۔ تو میں نے کہا آپ نے کتنے لوگوں سے ملاقات کی؟ کہا کہ پانچ افراد سے میں ملاقات کر چکا ہوں' چھٹے آپ ہیں۔ میں نے کہا چھ افراد سے ملاقات کرنے کے بعد آپ نے کراچی کا سروے مکمل کر لیا' اب اس کے بعد کل اسلام آباد تشریف لے جائیں گے اور وہاں ایک دن قیام فرمائیں گے' چھ آدمیوں سے وہاں پھر آپ کی ملاقات ہو گی' چھ آدمیوں

سے ملاقات کے بعد اسلام آباد کی رائے عامہ کا سروے ہو جائے گا' اس کے بعد دو دن دہلی تشریف لے جائیں گے' دو دن دہلی کے اندر کچھ لوگوں سے ملاقاتیں کریں گے تو وہاں کا سروے آپ کا ہو جائے گا۔ تو یہ بتایئے کہ یہ سروے کا کیا طریقہ ہے؟ تو وہ کہنے لگے آپ کی بات معقول ہے' واقعتاً" جتنا وقت مجھے دینا چاہیے تھا اتنا میں دے نہیں پا رہا' مگر میں کیا کروں کہ میرے پاس وقت کم تھا۔ تو میں نے کہا معاف فرمایئے' اگر وقت کم تھا تو کس ڈاکٹر نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ آپ سروے کریں؟ اس لئے کہ اگر سروے کرنا ہے تو پھر ایسے آدمی کو کرنا چاہیے جس کے پاس وقت ہو' جو لوگوں کے پاس جا کر مل سکے' لوگوں سے بات کر سکے' اگر وقت کم تھا تو پھر سروے کی ذمہ داری لینے کی ضرورت کیا تھی؟ تو کہنے لگے کہ بات تو آپ کی ٹھیک ہے' لیکن بس ہمیں اتنا ہی وقت دیا گیا تھا' اس لئے میں مجبور تھا۔ میں نے کہا معاف فرمایئے مجھے آپ کے اس سروے کی سنجیدگی پر شک ہے' میں اس سروے کو سنجیدہ نہیں سمجھتا' لہٰذا میں اس سروے کے اندر کوئی پارٹی بننے کیلئے تیار نہیں ہوں اور نہ آپ کے کسی سوال کا جواب دینے کیلئے تیار ہوں' اس لئے کہ آپ پانچ چھ آدمیوں سے گفتگو کرنے کے بعد یہ رپورٹ دیں گے کہ وہاں پر رائے عامہ یہ ہے۔ اس رپورٹ کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے؟ لہٰذا میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ وہ بڑا سٹپٹائے اور انہوں نے کہا کہ آپ کی بات ویسے ٹیکنیکلی صحیح ہے' لیکن یہ کہ میں چونکہ آپ کے پاس ایک بات پوچھنے کیلئے آیا ہوں تو میرے کچھ سوالوں کے جواب آپ ضرور دے دیں۔ میں نے کہا نہیں' میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا' جب تک مجھے اس بات کا یقین نہ ہو جائے کہ آپ کا سروے واقعتہ" علمی نوعیت کا ہے' سنجیدہ ہے اور علمی شرائط پوری کرتا ہے تو میں اس سروے کے اندر کوئی پارٹی بننے کیلئے تیار نہیں ہوں' آپ مجھے معاف فرمائیں' میرے مہمان ہیں' میں آپ کی خاطر تواضع جو کر سکتا ہوں وہ کروں گا' باقی کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔

میں نے کہا بتا دیجئے اگر میری بات میں کوئی غیر معقولیت ہے تو مجھے سمجھا دیجئے کہ میرا موقف غلط ہے اور فلاں بنیاد پر غلط ہے۔ کہنے لگے بات تو آپ کی معقول ہے' لیکن میں آپ سے ویسے برادرانہ طور پر چاہتا ہوں کہ آپ کچھ جواب دیں۔ میں نے کہا میں جواب نہیں دوں گا' البتہ آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں۔

کہنے لگے سوال تو میں کرنے کیلئے آیا تھا تو آپ کیا سوال کرنا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا میں آپ سے اجازت طلب کر رہا ہوں' اگر آپ اجازت دیں گے تو سوال کر لوں گا اگر اجازت نہیں دیں گے تو میں بھی سوال نہیں کروں گا اور ہم دونوں کی ملاقات ہوگئی بات ختم ہوگئی۔ کہنے لگے نہیں آپ سوال کر لیجئے۔ تو میں نے کہا میں سوال آپ سے یہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ آزادی اظہار رائے اور انسانی حقوق کا علم لے کر چلے ہیں تو میں ایک بات آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ آزادی اظہار رائے جس کی آپ تبلیغ کرنا چاہتے ہیں اور کر رہے ہیں اور جس علم کو لے کر چلے ہیں' یہ آزادی اظہار رائے Absolute یعنی مطلق ہے' اس پر کوئی قید کوئی پابندی کوئی شرط عائد نہیں ہوتی یا یہ کہ آزادی اظہار رائے پر کچھ قیود و شرائط بھی عائد ہونی چاہئیں؟ کہنے لگے میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟ تو میں نے کہا مطلب تو الفاظ سے واضح ہے۔ میں یہ آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ جس آزادی اظہار رائے کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں' تو کیا وہ ایسی ہے کہ جس شخص کی جو رائے ہو اس کا برملا اظہار کرے' اس کی برملا تبلیغ کرے' برملا اس کی طرف دعوت دے اور اس پر کوئی روک ٹوک کوئی پابندی عائد نہ ہو۔ یہ مقصود ہے؟ اگر یہ مقصود ہے تو فرمایئے کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میری رائے یہ ہے کہ یہ دولت مند افراد انہوں نے بہت پیسے کما لیے اور غریب لوگ بھوکے مر رہے ہیں' لہٰذا ان دولت مندوں کے گھروں پر ڈاکہ ڈال کر اور ان کی دکانوں کو لوٹ کر غریبوں کو پیسہ پہنچانا چاہیے۔ اگر کوئی شخص دیانتدارانہ یہ رائے رکھتا ہو اور یہ رائے رکھ کر اس کی طرف تبلیغ کرے اور اس کا اظہار کرے' لوگوں کو دعوت دے کہ آپ آیئے اور میرے ساتھ شامل ہو جایئے اور یہ جتنے دولت مند لوگ ہیں' روزانہ ان پر ڈاکہ ڈالا کریں گے' ان کا مال لوٹا کریں گے اور مال لوٹ کر غریبوں میں تقسیم کیا کریں گے' تو آپ ایسی اظہار رائے کی آزادی کے حامی ہوں گے یا نہیں؟ اور اس کی اجازت دیں گے کہ نہیں؟ کہنے لگے اس کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ لوگوں کا مال لوٹ کر دوسروں میں تقسیم کر دیا جائے۔ تو میں نے کہا یہی میرا مطلب تھا کہ اگر اس کی اجازت نہیں دی جائے گی تو اس کا معنی یہ ہے کہ آزادی اظہار رائے اتنی (Absolute)' اتنی مطلق نہیں ہے کہ اس پر کوئی قید کوئی شرط کوئی پابندی عائد نہ کی جا سکے' کچھ نہ کچھ قید شرط لگانی پڑے گی۔ کہنے لگے ہاں کچھ نہ کچھ تو لگانی پڑے گی۔ تو میں نے کہا مجھے یہ بتایئے

کہ وہ قید و شرط کس بنیاد پر لگائی جائے گی اور کون لگائے گا؟ کس بنیاد پر یہ طے کیا جائے کہ فلاں قسم کی رائے کا اظہار کرنا تو جائز ہے اور فلاں قسم کی رائے کا اظہار کرنا جائز نہیں ہے؟ فلاں قسم کی تبلیغ جائز ہے اور فلاں قسم کی تبلیغ جائز نہیں ہے؟ اس کا تعین کون کرے گا اور کس بنیاد پر کرے گا' اس سلسلے میں آپ کے ادارے نے کوئی علمی سروے کیا ہو اور علمی تحقیق کی ہو تو میں اس کو جاننا چاہتا ہوں۔ کہنے لگے کہ اس نقطہ نظر سے پہلے ہم نے غور نہیں کیا۔ تو میں نے عرض کیا کہ دیکھئے! آپ اتنے بڑے مشن کو لے کر چلے ہیں' پوری انسانیت کو آزادی اظہار رائے دلانے کے لئے' ان کو حقوق دلانے کے لئے' لیکن آپ نے بنیادی سوال نہیں سوچا کہ آخر آزادی اظہار رائے کس بنیاد پر طے ہونی چاہیے؟ کیا اصول ہوں کیا پیمانہ ہوں کیا شرطیں اور کیا قیود ہوں۔ تو کہنے لگے اچھا آپ ہی بتا دیجئے۔ تو میں نے کہا میں تو پہلے عرض کر چکا ہوں کہ میں کسی سوال کا جواب دینے بیٹھا ہی نہیں۔ میں تو آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ آپ مجھے بتایئے کہ کیا قیود و شرائط ہونی چاہئیں اور کیا نہیں۔ میں نے تو آپ سے سوال کیا ہے کہ آپ کے نقطہ نظر سے' آپ کے ادارے کے نقطہ نظر سے کیا ہونا چاہیے؟

کہنے لگے میرے علم میں ابھی تک ایسا کوئی فارمولا نہیں ہے۔ ایک فارمولا ذہن میں آتا ہے کہ صاحب! ایسی آزادی اظہار رائے جس میں وائلنس ہو' جس میں دوسرے کے ساتھ تشدد ہو تو وہ نہیں ہونی چاہیے۔ میں نے کہا یہ تو آپ کے ذہن میں آیا کہ وائلنس کی پابندی ہونی چاہیے' کسی اور کے ذہن میں کوئی اور بات بھی آسکتی ہے کہ فلاں چیز کی آزادی بھی نہیں ہونی چاہیے۔ یہ کون طے کرے گا اور کس بنیاد پر طے کرے گا کہ کس قسم کی اظہار رائے کی کھلی چھٹی ہونی چاہیے' کس کی نہیں؟ اس کا کوئی فارمولا کچھ نہ کچھ معیار ہونا چاہیے۔ کہنے لگے آپ سے گفتگو کے بعد یہ اہم سوال میرے ذہن میں آیا ہے اور میں اپنے ذمہ داروں تک اس کو پہنچاؤں گا اور اس کے بعد اس پر اگر کوئی لٹریچر ملا تو آپ کو بھیجوں گا۔ تو میں نے کہا انشاء اللہ میں منتظر رہوں گا کہ اگر آپ اس کے اوپر کوئی لٹریچر بھیج سکیں اور اس کا کوئی فلسفہ بتا سکیں تو میں ایک طالب علم کی حیثیت میں اس کا مشتاق ہوں۔ جب وہ چلنے لگے' ان کو مجھ سے کوئی بات ملی نہیں تو اس وقت میں نے ان سے کہا کہ میں سنجیدگی سے آپ سے کہہ رہا ہوں' یہ بات مذاق کی نہیں ہے' سنجیدگی سے

چاہتا ہوں کہ اس مسئلے پر غور کیا جائے' اس کے بارے میں آپ اپنا نقطہ نظر بھیجیں' لیکن ایک بات میں آپ کو بتا دوں کہ جتنے آپ کے نظریات اور فلسفے ہیں' ان سب کو مد نظر رکھ لیجئے' کوئی ایسا متفقہ فارمولا آپ پیش کر نہیں سکیں گے' جس پر ساری دنیا متفق ہو جائے کہ فلاں بنیاد پر اظہار رائے کی آزادی ہونی چاہیے اور فلاں بنیاد پر نہیں ہونی چاہیے۔ تو یہ میں آپ کو بتا دیتا ہوں اور اگر پیش کر سکیں تو میں منتظر ہوں۔ آج ڈیڑھ سال ہو گیا ہے کوئی جواب نہیں آیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ مجمل نعرے' یہ اجمالی نعرے کہ صاحب! ہیومن رائٹس ہونے چاہئیں' آزادی اظہار رائے ہونی چاہیے' تحریر و تقریر کی آزادی ہونی چاہیے' یہ اجمالی نعرے ان کی ایسی کوئی بنیاد جس پر ساری دنیا متفق ہو سکے اور جس کے بارے میں معقولیت سے کہا جا سکے کہ یہ ہے وہ بنیاد جو اس کو طے کر سکے' یہ کسی کے پاس نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ کیوں؟ اس واسطے کہ جو کوئی بھی یہ بنیادیں طے کرے گا وہ اپنی سوچ اور اپنی عقل کی بنیاد پر کرے گا۔ اور کبھی دو انسانوں کی عقل یکساں نہیں ہوتی' دو زمانوں کی عقلیں یکساں نہیں ہوتیں' دو گروہوں کی عقلیں یکساں نہیں ہوتیں' لہٰذا ان کے درمیان اختلاف رہا ہے' رہے گا اور اس اختلاف کو ختم کرنے کا کوئی راستہ نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انسانی عقل اپنی ایک لمیٹیشن رکھتی ہے' اس کی حدود ہیں' اس سے آگے وہ تجاوز نہیں کر پاتی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پوری انسانیت کیلئے سب سے بڑا احسان عظیم یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام معاملات کو طے کرنے کی وہ بنیاد فراہم کی ہے کہ کون سا حق قابل تحفظ ہے اور کونسا حق قابل تحفظ نہیں۔ اس کی واحد بنیاد یہ ہے کہ وہ ذات جس نے اس پوری کائنات کو پیدا کیا' وہ ذات جس نے انسانوں کو پیدا کیا' اسی سے پوچھو کہ کون سے انسانی حقوق قابل تحفظ ہیں اور کون سے انسانی حقوق قابل تحفظ نہیں؟ وہی بتا سکتا ہے' اس کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا اور اس ذات کے ساتھ اس خالق کائنات کے ساتھ رشتہ جوڑا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور رشتہ جوڑا وحی کا رشتہ۔ وہ مقام جہاں پر انسان کی عقل آ کر ناکارہ ہو جاتی ہے' بے کار ہو جاتی ہے' صحیح جواب نہیں دیتی' اس مقام پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی لے کر آتے ہیں اللہ جل جلالہ کی اور وہ بتاتے ہیں کہ یہ ہے وہ بنیاد جس کی روشنی میں تم اپنے مسائل حل کر

سکتے ہو۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ پہلے ہمیں یہ بتاؤ کہ اسلام ہمیں کیا حقوق دیتا ہے پھر ہم اسلام کو مانیں گے۔ میں نے کہا اسلام کو تمہاری ضرورت نہیں۔ اگر اسلام کو اس وجہ سے ماننا کہ حقوق پہلے اپنے ذہن میں طے کر لئے کہ یہ حقوق جہاں ملیں گے وہاں جائیں گے اور اس کے بعد پھر اسلام میں اس خاطر آتے ہو کہ یہ حقوق چونکہ اسلام میں مل رہے ہیں اس واسطے میں جا رہا ہوں' تو یاد رکھو اسلام کو تمہاری ضرورت نہیں۔ اسلام کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے یہ اپنی عاجزی درماندگی اور شکستگی پیش کرو کہ ان مسائل کو حل کرنے میں ہماری عقل عاجز ہے اور سوچ عاجز ہے' ہمیں وہ بنیاد چاہیے جس کی بنیاد پر ہم مسائل کو حل کریں۔ جب آدمی اس نقطہ نظر سے اسلام کی طرف رجوع کرتا ہے تو پھر اسلام ہدایت و راہنمائی پیش کرتا ہے۔ ھدی للمتقین۔ یہ ہدایت متقین کیلئے ہے۔ متقین کے کیا معنی؟ متقین کے معنی یہ ہیں کہ جس کے دل میں طلب ہو' یہ ہو کہ ہم اپنی عاجزی کا اقرار کرتے ہیں' درماندگی کا اعتراف کرتے ہیں' پھر رجوع کرتے ہیں اپنے مالک اور خالق کے سامنے کہ آپ ہمیں بتایئے کہ ہمارے لئے کیا راستہ ہے۔

محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ پیغام لے کر آئے' لہٰذا یہ جو آج کی دنیا کے اندر ایک فیشن بن گیا کہ صاحب! پہلے یہ بتاؤ کہ ہیومن رائیٹس کیا ملیں گے' تب اسلام میں داخل ہوں گے تو یہ طریقہ اسلام میں داخل ہونے کا نہیں ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس امت کو پیغام دیا' دعوت دی تو آپ نے جتنے غیر مسلموں کو دعوت دی' کسی جگہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اسلام میں آجاؤ تمہیں فلاں فلاں حقوق مل جائیں گے۔ بلکہ یہ فرمایا کہ میں تم کو اللہ جل جلالہ کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہوں: قولوا لا الہ الا اللہ تفلحون یہ مادی منافع مادی مصلحتوں اور مادی خواہشات کی خاطر اگر کوئی اسلام میں آنا چاہتا ہے تو وہ درحقیقت اخلاص کے ساتھ صحیح راستہ تلاش نہیں کر رہا۔ پہلے وہ اپنی عاجزی کا اعتراف کرے کہ ہماری عقلیں ان مسائل کو حل کرنے سے عاجز ہیں۔

اور یاد رکھیے یہ موضوع بڑا طویل ہے کہ عقل انسانی بے کار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں عقل عطا فرمائی' یہ بڑی کار آمد چیز ہے' مگر یہ اس حد تک کار آمد ہے جب تک

اس کو اس کی حدود میں استعمال کیا جائے اور حدود سے باہر اگر اس کو استعمال کرو گے تو وہ غلط جواب دینا شروع کر دے گی۔ اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک اور ذریعہ علم عطا فرمایا ہے' اس کا نام وحی الٰہی ہے' جہاں عقل جواب دے جاتی ہے اور کار آمد نہیں رہتی وحی الٰہی اسی جگہ پر آکر رہنمائی کرتی ہے۔

دیکھو! اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں آنکھ دی' کان دیئے' یہ زبان دی۔ آنکھ سے دیکھ کر ہم بہت سی چیزیں معلوم کرتے ہیں' کان سے سن کر بہت ساری چیزیں معلوم کرتے ہیں' زبان سے چکھ کر بہت ساری چیزیں معلوم کرتے ہیں' لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کا اپنا ایک فنکشن رکھا ہے' ہر ایک کا اپنا عمل ہے اس حد تک وہ کام دیتا ہے' اس سے باہر نہیں دیتا۔ آنکھ دیکھ سکتی ہے' سن نہیں سکتی۔ کوئی شخص یہ چاہے کہ میں آنکھ سے سنوں تو وہ احمق ہے۔ کان سن سکتا ہے دیکھ نہیں سکتا۔ کوئی شخص یہ چاہے کہ کان سے میں دیکھنے کا کام لوں تو وہ بے وقوف ہے۔ اس واسطے کہ یہ اس کام کیلئے پیدا نہیں ہوا اور ایک حد ایسی آتی ہے جہاں نہ آنکھ کام دے رہی ہے نہ کان کام دے رہے ہیں نہ زبان کام دے رہی ہے۔ اس موقع کیلئے اللہ تعالیٰ نے عقل عطا فرمائی ہے کہ عقل انسان کی راہنمائی کرتی ہے۔

دیکھئے یہ کرسی ہمارے سامنے رکھی ہے' آنکھ سے دیکھ کر معلوم کیا کہ اس کے ہینڈل زرد رنگ کے ہیں' ہاتھ سے چھو کر معلوم کیا کہ یہ چکنے ہیں۔ لیکن تیسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ آیا خود بخود وجود میں آگئی یا کسی نے اس کو بنایا؟ تو وہ بنانے والا میرے آنکھوں کے سامنے نہیں ہے' اس واسطے میری آنکھ بھی اس سوال کا جواب نہیں دے سکتی' میرا ہاتھ بھی اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا' اس موقع کے لئے اللہ تعالیٰ نے تیسری چیز عطا فرمائی جس کا نام عقل ہے۔ عقل سے میں نے سوچا کہ یہ جو ہینڈل ہے' یہ بڑے قاعدے کا بنا ہوا ہے' یہ خود سے وجود میں نہیں آ سکتا' کسی بنانے والے نے اس کو بنایا ہے۔ یہ یہاں عقل نے میری راہنمائی کی ہے۔ لیکن ایک چوتھا سوال آگے چل کر یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کرسی کو کس کام میں استعمال کرنا چاہیے' کس میں نہیں کرنا چاہیے؟ کہاں اس کو استعمال کرنے سے فائدہ ہو گا کہاں نقصان ہو گا؟ یہ سوال جو ہے اس سوال کا حل کرنے کے لئے عقل بھی ناکام ہو جاتی ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ایک چوتھی چیز عطا فرمائی اور اس کا نام ہے وحی الٰہی۔ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی ہے' وہ خبر

اور شر کا فیصلہ کرتی ہے' وہ نفع اور نقصان کا فیصلہ کرتی ہے۔ جو بتاتی ہے کہ اس چیز میں خیر ہے اس میں شر ہے' اس میں نفع ہے اس میں نقصان ہے۔ وحی آتی ہی اس مقام پر ہے جہاں انسان کی عقل کی پرواز ختم ہو جاتی ہے' لہٰذا جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آجائے اور وہ اپنی عقل میں نہ آئے' سمجھ میں نہ آئے تو اس کی وجہ سے اس کو رد کرنا کہ صاحب میری تو عقل میں نہیں آرہا' لہٰذا میں اس کو رد کرتا ہوں تو یہ در حقیقت اس عقل کی اور وحی الٰہی کی حقیقت ہی سے جہالت کا نتیجہ ہے۔ اسے سمجھ میں اس لئے نہیں آرہا کہ اگر سمجھ میں آتا تو وحی آنے کی ضرورت کیا تھی؟ وحی تو آئی ہی اس لئے کہ تم اپنی تنہا عقل کے ذریعہ اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اللہ تبارک تعالی نے وحی کے ذریعہ سے تمہاری مدد فرمائی تو اس واسطے اگر عقل سے خود بخود فیصلہ ہوتا تو اللہ تعالی ایک حکم نازل کر دیتے بس کہ ہم نے تمہیں عقل دی ہے' عقل کے مطابق جو چیز اچھی لگے وہ کرو اور جو بری لگے اس سے بچ جاؤ۔ نہ کسی کتاب کی ضرورت نہ کسی رسول کی ضرورت نہ کسی پیغمبر کی ضُرورت نہ کسی مذہب اور دین کی ضرورت۔ عقل دی اور اس عقل کے مطابق کام کرو۔ جب اللہ نے اس عقل دینے کے باوجود اس پر اکتفا نہیں فرمایا' رسول بھیجے' کتابیں اتاریں' وحی بھیجی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تنہا عقل انسان کی راہنمائی کیلئے کافی نہیں تھی۔ اس کے بعد وحی الٰہی اس لئے آئی تو آج کل لوگ کہتے ہیں کہ صاحب ہمیں چونکہ اس کا فلسفہ سمجھ میں نہیں آیا' لہٰذا ہم نہیں مانتے تو وہ درحقیقت دین کی حقیقت ہی سے ناواقف ہیں' حقیقت سے جاہل ہیں۔ سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا اور یہیں سے ایک اور بات کا جواب مل جاتا ہے جو آج کل بڑی کثرت سے لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے چاند پہ جانے کا کوئی طریقہ نہیں بتایا' خلا کو فتح کرنے کا کوئی فارمولا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتایا' یہ سب قومیں اس قسم کے فارمولے حاصل کر کے کہاں سے کہاں پہنچ گئیں اور ہم قرآن بغل میں رکھنے کے باوجود پیچھے رہ گئے' تو قرآن اور سنت نے یہ فارمولے کیوں نہیں بتلائے؟

جواب اس کا یہی ہے کہ اس لئے نہیں بتایا کہ وہ چیز تمہارے عقل کے دائرے کی تھی' اپنی عقل سے اور اپنے تجربے اور اپنی محنت سے جتنا آگے بڑھو گے' اس کے اندر تمہیں انکشافات ہوتے چلے جائیں گے' وہ تمہارے عقل کے دائرے کی چیز تھی' عقل اس کا

ادراک کر سکتی تھی۔ اس واسطے اس کے لئے نبی بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی، اس کے لئے رسول بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی، اس کے لئے کتاب نازل کرنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن کتاب اور رسول کی ضرورت تھی وہاں جہاں تمہاری عقل عاجز تھی جیسے کہ اینٹی انٹرنیشنل والے آدمی کی عقل عاجز تھی کہ بنیادی حقوق اور آزادی تحریر و تقریر کے اوپر کیا پابندیاں ہونی چاہئیں، کیا نہیں ہونی چاہئیں۔ اس معاملے میں انسان کی عقل عاجز تھی اس کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ یہ حق ہے انسان کا، جس کا تحفظ ضروری ہے اور فلاں حق ہے جس کے تحفظ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تو اس لئے پہلے یہ سمجھ لو کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانی حقوق کے سلسلے میں سب سے بڑا کنٹری بیوشن یہ ہے کہ انسانی حقوق کے تعین کی بنیاد فراہم فرمائی کہ کونسا انسانی حق پابندی کے قابل ہے اور کونسا نہیں۔ یہ بات اگر سمجھ میں آجائے تو اب سنئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا حقوق انسان کو عطا فرمائے۔ کن حقوق کو ریکگنائز (Recognize) کیا، کن حقوق کا تعین فرمایا اور پھر اس کے اوپر عمل کر کے دکھایا، ریکگنائز (Recognize) کن حقوق کو کیا۔ اور آج کی دنیا میں ریکگنائز کرنے والے تو بہت اور اس کا اعلان کرنے والے بہت، اس کے نعرے لگانے والے بہت، لیکن ان نعروں پر اور ان حقوق کے اوپر جب عمل کرنے کا سوال آجائے تو وہی ڈھنڈورچی، جو یہ کہتے ہیں کہ انسانی حقوق قابل تحفظ ہیں، جب ان کا اپنا معاملہ آجاتا ہے، اپنے مفاد سے ٹکراؤ پیدا ہو جاتا ہے، تو دیکھئے پھر انسانی حقوق کس طرح پامال ہوتے ہیں۔

انسانی حقوق کا ایک تقاضا یہ ہے کہ اکثریت کی حکومت ہونی چاہیے۔ جمہوریت، سیکولر ڈیموکریسی۔ آج امریکہ کی ایک کتاب دنیا بھر میں بہت مشہور ہو رہی ہے: "دی اینڈ آف ہسٹری اینڈ دی لاسٹ مین"" آج کل کے سارے پڑھے لکھے لوگوں میں مقبول ہو رہی ہے، اس کی ساری تھیسس یہ ہے کہ انسان کی ہسٹری کا خاتمہ وہ جمہوریت کے اوپر ہو گیا اور اب انسانیت کے عروج اور فلاح کے لئے کوئی نیا نظریہ وجود میں نہیں آئے گا۔ یعنی ختم نبوت پر ہم اور آپ یقین رکھتے ہیں، اب یہ ختم نظریات ہو گیا یہ کہ ڈیموکریسی کے بعد کوئی نظریہ انسانی فلاح کا وجود میں آنے والا نہیں ہے۔

ایک طرف تو یہ نعرہ ہے کہ اکثریت جو بات کہ دے وہ حق ہے' اس کو قبول کرو' ں کی بات مانو' لیکن وہی اکثریت اگر الجزائر میں کامیاب ہو جاتی ہے اور انتخابات میں لثریت حاصل کر لیتی ہے تو اسکے بعد جمہوریت باقی نہیں رہتی۔ پھر اس کا وجود جمہوریت کیلئے خطرہ بن جاتا ہے۔ تو نعرے لگا لینا اور بات ہے لیکن اس کے اوپر عمل کر کے دکھانا شکل ہے۔

یہ نعرے لگا لینا بہت اچھی بات ہے کہ سب انسانوں کو ان کے حقوق ملنے چاہئیں' ان کو آزادی اظہار رائے ہونی چاہیے اور لوگوں کو حق خود ارادی ملنا چاہیے اور یہ سب کچھ' لیکن جن لوگوں کا حق خود ارادی پامال کر کے ان کے سر سے لے کر پاؤں تک ان کو جبر و تشدد کی چکی میں پیسا جا رہا ہے' ان کے بارے میں آواز اٹھاتے ہوئے زبان تھراتی ہے اور وہی جمہوریت اور آزادی کے مناد' منادی کرنے والے وہ ان کے خلاف کارروائیاں کرتے ہیں۔ تو بات صرف یہ نہیں ہے کہ زبان سے کہ دیا جائے کہ انسانی حقوق کیا ہیں؟ بات یہ ہے کہ جو بات زبان سے کہو اس کو کر کے دکھاؤ اور یہ کام کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آپ نے جو حق دیا اس پر عمل کر کے دکھایا۔

غزوہ بدر کا موقع ہے اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ اپنے والد ماجد کے ساتھ سفر کرتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیلئے مدینہ منورہ جا رہے ہیں' راستے میں ابوجہل کے لشکر سے ٹکراؤ ہو جاتا ہے اور ابوجہل کا لشکر کہتا ہے ہم تمہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے نہیں دیں گے' اس لئے کہ تم جاؤ گے تو ہمارے خلاف ان کے لشکر میں شامل ہو گے' ہمارے خلاف جنگ کرو گے۔ یہ بیچارے پریشان ہوتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیلئے جانا تھا اور انہوں نے روک لیا۔ آخر کار انہوں نے کہا اس شرط پر تمہیں چھوڑیں گے کہ ہم سے وعدہ کرو۔ اس بات کا وعدہ کرو کہ جاؤ گے اور جانے کے بعد ان کے لشکر میں شامل نہیں ہو گے ہم سے جنگ نہیں کرو گے۔ اگر یہ وعدہ کرتے ہو تو ہم تمہیں چھوڑتے ہیں۔ حضرت حذیفہؓ اور ان کے والدؓ نے وعدہ کر لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف زیارت کریں گے' ان کے لشکر میں شامل ہو کر آپ سے لڑیں گے نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ جب کفار کے ساتھ جنگ کا وقت آیا' اور کیسی جنگ؟ ایک ہزار مکہ مکرمہ کے مسلح سورما اور اس کے

مقابلے میں ۳۱۳ نہتے، جن کے پاس ۸ تلواریں، دو گھوڑے، ستر اونٹ۔ ۸ تلواروں کے سوا تین سو تیرہ آدمیوں کے پاس اور تلوار بھی نہیں تھی، کسی نے لاٹھی اٹھائی ہوئی ہے کسی نے پتھر اٹھایا ہوا ہے۔ اس موقع پر ایک ایک آدمی کی قیمت تھی، ایک ایک انسان کی قیمت تھی۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ یہ نئے آدمی آئے ہیں، آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں اور ان سے زبردستی معاہدہ کرایا گیا ہے، یہ وعدہ زبردستی لیا گیا کہ تم جنگ میں شامل نہیں ہو گے تو اس واسطے ان کو اجازت دے دیجئے کہ جہاد میں شامل ہو جائیں اور جہاد بھی کونسا؟ یوم الفرقان، جس کے اندر شامل ہونے والا ہر فرد بدری بن گیا، جس کے بارے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے سارے گناہ اگلے پچھلے معاف فرمائے ہیں، اتنا بڑا غزوہ ہو رہا ہے، حذیفہ بن یمانؓ چاہتے ہیں، دل مچل رہا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہو جائیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب یہ ہے کہ نہیں، جو ابوجہل کے لشکر سے وعدہ کر کے آئے ہو کہ جنگ نہیں کرو گے تو مومن کا کام وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہے، لہٰذا تم اس جنگ میں شامل نہیں ہو سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں شامل ہونے سے روک دیا۔ یہ ہے کہ جب وقت پڑے، اس وقت انسان اصول کو نبھائے، یہ نہیں کہ زبان سے تو کہہ دیا کہ ہم انسانی حقوق کے علمبردار ہیں اور ہیروشیما اور ناگا ساکی پر بے گناہ بچوں کو بے گناہ عورتوں کو تہہ و بالا کر دیا کہ ان کی نسلیں تک معذور پیدا ہو رہی ہیں اور جب جنگ کا اپنا وقت پڑ جائے تو اس میں کوئی اخلاق کوئی کردار دیکھنے والا نہ ہو۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق بتائے بھی اور عمل کر کے بھی دکھایا۔ کیا حقوق؟ اب سنئے:

انسانی حقوق میں سے سب سے پہلا حق انسان کی جان کا حق ہے۔ ہر انسان کی جان کا تحفظ انسان کا بنیادی حق ہے کہ کوئی اس کی جان پر دست درازی نہ کرے: لا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق کسی بھی جان کے اوپر دست درازی نہیں کی جا سکتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیدیا اور کیا حکم دیدیا کہ جنگ میں جا رہے ہو، کفار سے مقابلہ ہے، دشمن سے مقابلہ ہے اس حالت میں بھی تمہیں کسی بچے پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں، کسی عورت پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں، بوڑھے پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت

نہیں۔ عین جہاد کے موقع پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔ یہ پابندی ایسی نہیں ہے کہ صرف زبانی جمع خرچ ہو' جیسا کہ میں نے ابھی بتایا کہ صاحب زبانی طور پر تو کہہ دیا اور تہس نہس کر دیا سارے بچوں کو بھی اور عورتوں کو بھی' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ کرام نے اس پر عمل کر دکھایا۔ ان کا ہاتھ کسی عورت پر نہیں اٹھا' ان کا ہاتھ کسی بچے پر نہیں اٹھا' ان کا ہاتھ کسی بوڑھے پر نہیں اٹھا' عمل کر کے دکھایا۔ یہ ہے جان کا تحفظ۔

مال کا تحفظ انسان کا دوسرا بنیادی حق ہے: لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل۔ باطل کے ساتھ ناحق طریقے سے کسی کا مال نہ کھاؤ۔ اس پر عمل کر کے کیسے دکھایا؟ یہ نہیں ہے کہ تاویل کر کے توجیہ کر کے مال کھا گئے کہ جب تک اپنے مفادات وابستہ تھے اس وقت تک بڑی دیانت تھی بڑی امانت تھی' لیکن جب معاملہ جنگ کا آگیا' دشمنی ہو گئی تو اب یہ ہے کہ صاحب تمہارے اکاؤنٹس منجمد کر دیے جائیں گے' تمہارے اکاؤنٹس فریز کر دیے جائیں گے' جب مقابلہ ہو گیا تو اس وقت میں حقوق انسانی غائب ہو گئے۔ اب مال کا تحفظ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مثال پیش کی وہ عرض کرتا ہوں۔ غزوہ خیبر ہے' یہودیوں کیساتھ لڑائی ہو رہی ہے' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ خیبر کے اوپر حملہ آور ہیں اور اس خیبر کے گرد محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آرمی پڑی ہوئی ہے خیبر کے قلعہ کے اردگرد' خیبر کے اندر ایک بے چارا چھوٹا سا چرواہا جو اجرت پر بکریاں چرایا کرتا تھا' اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ خیبر سے باہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر پڑا ہوا ہے تو جا کر دیکھوں تو سہی' آپ کا نام تو بہت سنا ہے "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا کہتے ہیں اور کیسے آدمی ہیں؟ بکریاں لے کر خیبر کے قلعے سے نکلا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں مسلمانوں کے لشکر میں داخل ہوا۔ کسی سے پوچھا کہ بھائی محمد کہاں ہیں؟ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو لوگوں نے بتایا کہ فلاں خیمے کے اندر ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے یقین نہیں آیا کہ اس خیمے کے اندر' یہ کھجور کا معمولی سا خیمہ جھونپڑی' اس میں اتنا بڑا سردار' اتنا بڑا نبی وہ اس خیمے کے اندر ہے؟ لیکن جب لوگوں نے بار بار کہا تو اس میں چلا گیا۔ اب جب داخل ہوا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے' جا کر کہا کہ یا رسول اللہ! آپ کیا پیغام لے کر آئے ہیں' آپ کا پیغام کیا ہے؟ آپ

نے مختصراً" بتایا' توحید کے عقیدے کی وضاحت فرمائی۔ کہنے لگا اگر میں آپ کے اس پیغام کو قبول کر لوں تو میرا کیا مقام ہو گا؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم تمہیں سینے سے لگائیں گے' تم ہمارے بھائی ہو جاؤ گے اور جو حقوق دوسروں کو حاصل ہیں' وہ تمہیں بھی حاصل ہوں گے۔ کہنے لگا آپ مجھ سے ایسی بات کرتے ہیں' مذاق کرتے ہیں ایک کالا بھجنگ چرواہا سیاہ فام' میرے بدن سے بدبو اٹھ رہی ہے' اس حالت کے اندر آپ مجھے سینے سے لگائیں گے' فرمایا کہ ہاں ہم تمہیں سینے سے لگائیں گے۔ کہا اگر آپ مجھے سینے سے لگائیں گے اور یہاں تو مجھے دھتکارا جاتا ہے' میرے ساتھ اہانت آمیز برتاؤ کیا جاتا ہے تو آپ یہ جو مجھے سینے سے لگائیں گے تو کس وجہ سے لگائیں گے؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ کی مخلوق اللہ کی نگاہ میں سب بندے برابر ہیں' اس واسطے ہم تمہیں سینے سے لگائیں گے۔ کہا کہ اگر میں آپ کی بات مان لوں مسلمان ہو جاؤں' تو میرا انجام کیا ہوگا۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اسی جنگ کے اندر مر گئے تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تمہاری اس چہرے کی سیاہی کو تابانی سے بدل دیگا اور تمہارے جسم کی بدبو کو خوشبو سے بدل دیگا۔ میں گواہی دیتا ہوں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا' اس اللہ کے بندے کے دل پر اثر ہوا کہ اگر آپ یہ فرماتے ہیں تو اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ' عرض کیا میں مسلمان ہو گیا' اب جو حکم آپ دیں وہ کرنے کو تیار ہوں۔ سنئے! سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا حکم اس کو کیا دیا؟ یہ نہیں دیا کہ نماز پڑھو' یہ نہیں دیا کہ روزہ رکھو' پہلا حکم یہ دیا کہ جو کسی کی بکریاں تم چرانے کیلئے لے کر آئے ہو یہ تمہارے پاس امانت ہیں' پہلے ان بکریوں کو واپس دے کر آؤ اور اس کے بعد آکر پوچھنا کہ مجھے کیا کرنا ہے؟ بکریاں کس کی؟ یہودیوں کی' جن کے اوپر حملہ آور ہیں' جن کے ساتھ جنگ چھڑی ہوئی ہے' جن کا مال غنیمت چھینا جا رہا ہے' لیکن فرمایا کہ یہ مال غنیمت جنگ کی حالت میں چھینتا تو جائز تھا لیکن تم لے کر آئے ہو ایک معاہدہ کے تحت۔ اور اس معاہدے کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے مال کا تحفظ معاہدے کا تحفظ کیا جائے' یہ ان کا حق ہے' لہٰذا ان کو پہنچا کر آؤ۔ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ بکریاں تو ان دشمنوں کی ہیں جو آپ کے خون کے پیاسے ہوئے ہیں اور پھر آپ واپس لوٹاتے ہیں' فرمایا کہ ہاں! پہلے ان کو واپس لوٹاؤ۔ چنانچہ بکریاں واپس لوٹائی گئیں۔ کوئی

مثال پیش کرے گا کہ عین میدان جنگ میں عین حالت جنگ کے اندر انسانی مال کے تحفظ کا حق ادا کیا جارہا ہو؟ جب بکریاں واپس کر دیں' تو عرض کیا اب کیا کروں؟ فرمایا کہ نہ تو نماز کا وقت ہے کہ تمہیں نماز پڑھواؤں' نہ رمضان کا مہینہ ہے کہ روزے رکھواؤں' نہ تمہارے پاس مال ہے کہ زکوۃ دلواؤں۔ ایک ہی عبادت اس وقت ہو رہی ہے جو کہ تلوار کے چھاؤں کے نیچے ادا کی جاتی ہے وہ ہے جہاد' اس میں شامل ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ اس میں شامل ہوگیا' اس کا اسود راعی نام آتا ہے۔ جب جہاد ختم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد دیکھنے جایا کرتے تھے کہ کون زخمی ہوا' کون شہید ہوا' تو دیکھا کہ ایک جگہ صحابہؓ کرام کا مجمع لگا ہوا ہے۔ آپس میں صحابہ پوچھ رہے ہیں کہ یہ کون آدمی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا معاملہ ہے تو صحابہ کرام نے بتلایا کہ یہ ایسے شخص کی لاش ملی ہے کہ جس کو ہم میں سے کوئی پہچانتا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب پہنچ کر دیکھا اور فرمایا تم نہیں پہچانتے' میں پہچانتا ہوں اور میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو جنت الفردوس کے اندر کوثر و تسنیم سے غسل دیا ہے اور اس کے چہرے کی سیاہی کو تابانی سے بدل دیا ہے' اس کے جسم کی بدبو کو خوشبو سے تبدیل فرما دیا ہے۔ یہ بات کہ مال کا تحفظ ہو' محض کہہ دینے کی بات نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھایا۔ کافر کے مال کا تحفظ دشمن کے مال کا تحفظ' جو معاہدے کے تحت ہو۔ یہ مال کا تحفظ ہے۔

تیسرا انسان کا بنیادی حق یہ ہے کہ اس کی آبرو محفوظ ہو۔ آبرو کی تحفظ کا نعرہ لگانے والے بہت ہیں' لیکن یہ پہلی بار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ انسان کی آبرو کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ پیٹھ پیچھے اس کی برائی نہ کی جائے' غیبت نہ کی جائے۔ آج بنیادی حقوق کا نعرہ لگانے والے بہت' لیکن کوئی اس بات کا اہتمام کرے کہ کسی کا پیٹھ کے پیچھے ذکر برائی سے نہ کیا جائے' غیبت کرنا بھی حرام' غیبت سننا بھی حرام اور فرمایا کہ کسی انسان کے دل کو نہ توڑا جائے۔ یہ انسان کیلئے گناہ کبیرہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ افقہ الصحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ شریف کا طواف فرما رہے ہیں' طواف کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے بیت اللہ تو کتنا مقدس ہے' کتنا مکرم کتنا معظم ہے' یہ الفاظ فرمائے پھر عبداللہ بن مسعودؓ سے

خطاب کر کے فرمایا کہ اے عبداللہ! یہ کعبۃ اللہ بڑا مقدس بڑا مکرم بڑا معظم ہے' لیکن اس کائنات میں ایک چیز ایسی ہے کہ اس کا تقدس اس کعبۃ اللہ سے بھی زیادہ ہے اور وہ چیز کیا؟ ایک مسلمان کی جان مال اور آبرو کہ اس کا تقدس کعبہ سے بھی زیادہ ہے۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی جان پر مال پر آبرو پر ناحق حملہ آور ہوتا ہے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ کعبہ کے ڈھا دینے سے بھی زیادہ بڑا جرم ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق دیا۔

جو انسان کے بنیادی حقوق ہیں وہ ہیں جان مال اور آبرو' ان کا تحفظ ضروری ہے۔ پھر انسان کو دنیا میں جینے کیلئے معاش کی ضرورت ہے' روزگار کی ضرورت ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا کسب معاش کا تحفظ۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کا جو حق بتایا' کہ کسی انسان کو اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ اپنی دولت کے بل بوتے پر دوسروں کیلئے معاش کے دروازے بند کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول بیان فرمایا۔ ایک طرف تو یہ فرمایا' جس کو کہتے ہیں فریڈم آف کنٹریکٹ۔ معاہدے کی آزادی جو چاہے معاہدہ کرو' لیکن فرمایا کہ ہر وہ معاہدہ جس کے نتیجے میں معاشرے کے اوپر خرابی واقع ہوتی ہو' ہر وہ معاہدہ جس کے نتیجے میں دوسرے آدمی پر رزق کا دروازہ بند ہوتا ہو وہ حرام ہے' فرمایا لا یبیع حاضر لباد کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔ ایک آدمی دیہات سے مال لے کر آیا مثلاً" زرعی پیداوار' ترکاریاں لے کر آیا شہر میں فروخت کرنے کیلئے تو فرمایا کہ شہری اس کا آڑھتی نہ بنے' اس کا وکیل نہ بنے۔ بھائی کیا حرج ہے اگر دو آدمیوں کے درمیان آپس میں معاہدہ ہوتا ہے کہ میں تمہارا مال فروخت کروں گا' تمہارے سے اجرت لوں گا تو اس میں کیا حرج ہے؟ لیکن نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلایا کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ جو شہری ہے' وہ جب مال لے کر بیٹھ جائے گا تو احتکار کرے گا اور بازار کے اوپر اپنی مونا پلی قائم کرے گا' اجارہ داری قائم کرے گا۔ اس اجارہ داری قائم کرنے کے نتیجے میں دوسرے لوگوں پر معیشت کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اس واسطے فرمایا: لا یبیع حاضر لباد۔ تو کسب معاش کا حق ہر انسان کا ہے کہ کوئی بھی شخص وہ اپنی دولت کے بل بوتے پر دوسرے کیلئے معیشت کے دروازے بند نہ کرے۔ یہ نہیں کہ سود کھا کھا کر' قمار کھیل کر' گیمبلنگ کر کر کے' سٹہ کھیل کھیل کر آدمی نے

اپنے لئے دولت کے انبار جمع کر لئے اور دولت کے انباروں کے ذریعے سے وہ پورے بازار کے اوپر قابض ہو گیا' کوئی دوسرا آدمی اگر کسب معاش کیلئے داخل ہونا چاہتا ہے تو اس کے لئے دروازے بند ہیں۔ یہ نہیں' بلکہ کسب معاش کا تحفظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انسانوں کا بنیادی حق قرار دیا اور فرمایا: دعوا الناس یرزق اللہ بعضھم ببعض لوگوں کو چھوڑ دو کہ اللہ ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے رزق عطا فرمائیں گے۔ یہ کسب معاش کا تحفظ ہے۔ جتنے میں حقوق عرض کر رہا ہوں' یہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمائے اور متعین فرمانے کے ساتھ ساتھ ان پر عمل بھی کر کے دکھایا۔

عقیدے اور دیانت کے اختیار کرنے کا تحفظ' کہ اگر کوئی شخص کوئی عقیدہ اختیار کئے ہوئے ہے تو اس کے اوپر کوئی پابندی نہیں ہے کہ کوئی زبردستی جا کر مجبور کر کے اسے دوسرا دین اختیار کرنے پر مجبور کرے: لا اکراہ فی الدین دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ دین کے اندر کوئی جبر نہیں۔ اگر ایک عیسائی ہے تو عیسائی رہے' ایک یہودی ہے تو یہودی رہے' قانوناً اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جا سکتی۔ اس کو تبلیغ کی جائے گی' دعوت دی جائے گی' اس کو حقیقت حال سمجھانے کی کوشش کی جائے گی' لیکن اس کے اوپر یہ پابندی نہیں ہے کہ زبردستی اس کو اسلام میں داخل کیا جائے۔ ہاں البتہ اگر ایک مرتبہ اسلام میں داخل ہو گیا اور اسلام میں داخل ہو کر اسلام کے محاسن اس کے سامنے آ گئے' تو اب اس کو اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ دارالاسلام میں رہتے ہوئے وہ اس دین کو برملا چھوڑ کر ارتداد کا راستہ اختیار کرے۔ اس واسطے کہ اگر وہ ارتداد کا راستہ اختیار کرے گا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ معاشرے میں فساد پھیلائے گا اور فساد کا علاج آپریشن ہوتا ہے' لہٰذا اس فساد کا آپریشن کر دیا جائے گا اور معاشرے میں اس کو فساد پھیلانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ کسی کی عقل میں بات آئے یا نہ آئے' کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے' میں پہلے کہہ چکا ہوں ان معاملات کے اندر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنیاد فراہم فرمائی ہے۔ حق وہ ہے جسے اللہ مانے' حق وہ ہے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مانیں' اس سے باہر حق نہیں ہے۔ اس لئے ہر شخص عقیدے کو اختیار کرنے میں شروع میں آزاد ہے' ورنہ اگر یہ حکم نہ ہوتا' مرتد ہونے کی سزا کا حکم نہ ہوتا' مرتد ہونا جرم نہ ہوتا تو اسلام کے دشمن اسلام کو بازیچہ اطفال بنا کر دکھلاتے۔ کتنے لوگ تماشا دکھانے کیلئے اسلام میں داخل ہوتے اور نکلتے؟

قرآن کریم میں ہے لوگ یہ کہتے ہیں صبح کو اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شام کو کافر ہو جاؤ تو یہ تماشا بنا دیا گیا ہوتا۔ اس واسطے دارالاسلام میں رہتے ہوئے ارتداد کی گنجائش نہیں دی جائے گی' اگر واقعتاً" دیانت داری سے تمہارا کوئی عقیدہ ہے تو پھر دارالاسلام سے باہر جاؤ' باہر جا کر جو چاہو کرو' لیکن دارالاسلام میں رہتے ہوئے فساد پھیلانے کی اجازت نہیں۔

تو غرض موضوع تو بڑا طویل ہے لیکن پانچ مثالیں میں نے آپ حضرات کے سامنے پیش کی ہیں: (۱) جان کا تحفظ (۲) مال کا تحفظ (۳) آبرو کا تحفظ (۴) عقیدے کا تحفظ (۵) کسب معاش کا تحفظ۔ یہ انسان کی پانچ بنیادی ضروریات ہیں۔ یہ پانچ مثالیں میں نے پیش کیں' لیکن ان پانچ مثالوں میں جو بنیادی بات غور کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ کہنے والے تو اس کے بہت ہیں' لیکن اس کے اوپر عمل کر کے دکھانے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے غلام ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کا واقعہ ہے کہ بیت المقدس میں غیر مسلموں سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ اس لئے کہ ان کے جان و مال آبرو کا تحفظ کیا جائے' تو ایک موقعہ پر ضرورت پیش آئی بیت المقدس سے فوج بلا کر کسی اور محاذ پر بھیجنے کی۔ زبردست ضرورت داعی تھی۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ بھائی بیت المقدس میں جو کافر رہتے ہیں' ہم نے ان کے تحفظ کی ذمہ داری لی ہے۔ اگر فوج کو یہاں سے ہٹالیں گے تو ان کا تحفظ کون کریگا؟ ہم نے ان سے اس کام کیلئے جزیہ لیا ہے' لیکن ضرورت بھی شدید ہے تو سارے غیر مسلموں کو بلا کر کہا کہ بھائی ہم نے تمہاری ذمہ داری لی تھی' اس کی خاطر تم سے یہ ٹیکس بھی وصول کیا تھا' اب ہمیں ضرورت شدید پیش آگئی ہے' جس کی وجہ سے ہم تمہارا تحفظ کما حقہ نہیں کر سکتے اور فوج کو یہاں نہیں رکھ سکتے' لہذا فوج کو ہم دوسری جگہ ضرورت کی خاطر بھیج رہے ہیں تو جو ٹیکس تم سے لیا گیا تھا وہ سارا تم کو واپس کیا جاتا ہے۔ یوں ذمہ داری ادا کی جا رہی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ صحابی ہیں جن پر کہنے والے ظالموں نے کیسے کیسے بہتانوں کی بارش کی ہے' ان کا واقعہ ابوداؤد میں موجود ہے کہ روم کے ساتھ لڑائی کے دوران معاہدہ ہو گیا' جنگ بندی ہو گئی' ایک خاص تاریخ تک یہ طے ہو گیا کہ سیز فائر رہے گا جنگ بندی رہے گی' کوئی آپس میں ایک دوسرے پر حملہ نہیں کرے گا۔ حضرت معاویہؓ بڑے دانش مند بزرگ تھے' انہوں نے یہ سوچا کہ جس تاریخ کو معاہدہ ختم ہو رہا ہے' اس

تاریخ کو فوجیں لے جا کر سرحد کے پاس ڈال دیں کہ ادھر آفتاب غروب ہو گا اور تاریخ بدلے گی' ادھر حملہ کر دیں گے' کیونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ دشمن کو یہ خیال ہو گا کہ جب جنگ بندی کی مدت ختم ہو گی' کہیں دور سے چلیں گے' چلنے کے بعد یہاں پہنچیں گے تو وقت لگے گا تو اس واسطے انہوں نے سوچا کہ پہلے فوج لے جا کے ڈال دیں۔ چنانچہ وہاں فوج لے جا کر ڈال دی اور ادھر اس تاریخ کا آفتاب غروب ہوا جو جنگ بندی کی تاریخ تھی اور ادھر انہوں نے حملہ کر دیا' روم کے اوپر یلغار کر دی اور وہ بے خبر اور غافل تھے' اس واسطے بہت تیزی کے ساتھ فتح کرتے چلے گئے' زمین کی زمین خطے کے خطے فتح ہو رہے ہیں۔ جاتے جاتے جب آگے بڑھ رہے ہیں تو پیچھے سے دیکھا گھوڑے پر ایک شخص سوار دور سے سرپٹ دوڑا چلا آ رہا ہے اور آواز لگا رہا ہے: قفوا عباد اللہ! قفوا عباد اللہ! اللہ کے بندو رکو! اللہ کے بندو رکو! حضرت معاویہؓ رک گئے' دیکھا کون ہے تو معلوم ہوا کہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت عمرو بن عبسہؓ قریب تشریف لائے تو فرمایا وفاء لا غدر مومن کا شیوہ وفا داری ہے غداری نہیں۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا میں نے تو کوئی غداری نہیں کی۔ جنگ بندی کی مدت ختم ہونے کے بعد حملہ کیا تو حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے ان کانوں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: من کان بینہ و بین قوم عھد فلا یحلنہ ولا یشدنہ حتی یمضی امدہ او ینبذہ علی سواء کہ جب کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو تو اس معاہدے کے اندر کوئی ذرا سا بھی تغیر نہ کرے' نہ کھولے نہ باندھے' یہاں تک کہ اس کی مدت نہ گزر جائے اور یا ان کے سامنے کھل کر بیان نہ کر دے کہ آج سے ہم تمہارے معاہدے کے پابند نہیں ہیں۔ اور آپ نے معاہدہ کے دوران سر پر فوجیں لا کر ڈال دیں اور شاید اندر بھی تھوڑا بہت گھس گئے ہوں تو اس واسطے آپ نے یہ معاہدے کی خلاف ورزی کی اور یہ جو آپ نے علاقہ فتح کیا ہے یہ اللہ کی مرضی کے مطابق نہیں ہے۔ اب اندازہ لگایئے حضرت معاویہؓ فتح کے نشے میں جا رہے ہیں' علاقے کے علاقے فتح ہو رہے ہیں' لیکن جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا ساری فوج کیلئے حکم جاری کر دیا کہ ساری فوج واپس لوٹ جائے اور یہ مفتوحہ علاقہ خالی کر دیا جائے۔ چنانچہ پورا مفتوحہ علاقہ خالی کر دیا۔ دنیا کی تاریخ اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی کہ کسی فاتح نے اپنے مفتوحہ علاقے کو اس وجہ سے خالی کیا ہو کہ اس میں معاہدے کی پابندی

کے اندر ذرا سی اوچھ رہ گئی تھی' لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے' انہوں نے یہ کر کے دکھایا۔

بات تو جتنی بھی طویل کی جائے ختم نہیں ہو سکتی' لیکن خلاصہ یہ ہے کہ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق کی بنیادیں فراہم کی ہیں کہ کون انسانی حقوق کا تعین کرے گا کون نہیں کرے گا۔ دوسری بات یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حقوق بیان فرمائے ان پر عمل کر کے دکھایا۔ حقوق ہی وہ متعین کئے گئے جن پر عمل کیا جائے' کہنے کیلئے نہیں۔

آج کہنے کیلئے ہیومن رائٹس کے بڑے شاندار چارٹر چھاپ کر دنیا بھر میں تقسیم کر دیئے گئے کہ جی یہ ہیومن رائٹس چارٹر ہیں' لیکن یہ ہیومن رائٹس چارٹر کے بنانے والے اپنے مفادات کی خاطر مسافر بردار طیارہ' جس میں بے گناہ افراد سفر کر رہے ہیں' اس کو گرا دیں' اس میں ان کو کوئی باک نہیں ہوتا اور مظلوموں کے اوپر مزید ظلم و ستم کے شکنجے کے جائیں' اس میں کوئی باک نہیں ہوتا۔ ہیومن رائٹس اسی جگہ پر مجروح ہوتے نظر آتے ہیں جہاں اپنے مفادات کے اوپر کوئی زد پڑتی ہو اور جہاں اپنے مفادات کے خلاف ہو تو وہاں ہیومن رائٹس کا کوئی تصور نہیں آتا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہیومن رائٹس کے قائل نہیں ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں اس حقیقت کو صحیح طور پر سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور یہ جو باطل پروپیگنڈہ ہے اس کی حقیقت پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے۔ یاد رکھیے کہ بعض لوگ اس پروپیگنڈے سے مرعوب ہو کر مغلوب ہو کر یہ معذرت خواہانہ انداز ہاتھ جوڑ کر یہ کہتے ہیں کہ نہیں صاحب! ہمارے ہاں تو یہ بات نہیں ہے' ہمارے ہاں تو اسلام نے فلاں حق دیا ہے اور اس کام کیلئے قرآن کو سنت کو توڑ مروڑ کر کسی نہ کسی طرح ان کی مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں' تو یاد رکھیے ولن ترضی عنک الیہود ولا النصاریٰ حتی تتبع ملتھم۔ قل ان ھدی اللہ ھو الھدیٰ جب تک اس پر نہیں آ جاؤ گے' اس اعتقاد کے اوپر نہیں آجاؤ گے کہ کتنا ہی کوئی اعتراض کرے' لیکن ہدایت تو وہی ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے عطا فرمائی' جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے' کبھی ان نعروں سے مرعوب نہ ہوں' کبھی ان نعروں سے مغلوب نہ ہوں' اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق نصیب فرمائے۔

ابو عمار زاہد الراشدی

انسانی حقوق کا مغربی تصور سیرت طیبہ کی روشنی میں

۲۷ ۔ ۲۸ نومبر ۹۴ء کو مظفر آباد میں حکومت آزاد کشمیر کے زیر اہتمام منعقدہ سیرت کانفرنس میں پڑھا گیا۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین' اما بعد!

صدر ذی وقار' معزز مہمان خصوصی اور قابل صد احترام شرکاء سیرت کانفرنس!

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے کہ اسلام کی دعوت اور پیغام کو مخاطب کی زبان میں اس کی ذہنی سطح اور نفسیات کے مطابق پیش کیا جائے۔ مکہ مکرمہ کے قریشی سردار جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید کے اثرات سے پریشان ہو کر جرگے کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور پوچھا کہ آخر آپ کی دعوت کا مقصد کیا ہے اور آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مزاج و نفسیات اور ذہنی سطح کو سامنے رکھتے ہوئے یہ جواب دیا کہ:

"میں ایک ایسا کلمہ تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں کہ اگر تم اسے قبول کر لو تو عرب و عجم تمہارے تابع ہوں گے۔"

آپؐ کو معلوم تھا کہ یہ لوگ غلبہ' قوت' اور اقتدار کے سوا کسی اور زبان کو نہیں سمجھتے' اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کی زبان میں دعوت اسلام کے نتائج و فوائد سے انہیں آگاہ کیا۔ اور یہ بات خلاف واقعہ بھی نہ تھی' اس لیے کہ اسلام کی دعوت کو قبول کرنے کے بے شمار نتائج و منافع میں سے ایک منفعت یہ بھی تھی اور چونکہ سوال کرنے والوں کے ہاں اس منفعت کی اہمیت زیادہ تھی' اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اسی منفعت کا حوالہ دے کر ان کے سوال کا جواب مرحمت فرمایا۔

اس پس منظر میں آج کے دور میں دعوت اسلام کی ضروریات اور تقاضوں کا جائزہ لیا جائے اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو نسل انسانی کے سامنے پیش کرنے کے لیے ترجیحات پر غور کیا جائے تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انسانی حقوق کے بارے میں قرآن کریم کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و احکام کو زیادہ اہمیت کے ساتھ منظر عام پر لایا جائے اور انسانی معاشرہ کو بتایا جائے کہ انسانی حقوق کے تعین اور تحفظ کا جو معیار اور دائرہ کار اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر نے کم و بیش ڈیڑھ ہزار سال قبل دنیا کے سامنے پیش کیا تھا' انسانی عقل تدریج و ترقی کے تمام مراحل طے کرنے اور مختلف نظام ہائے زندگی کا تجربہ کرنے کے باوجود اس کا کوئی متبادل سامنے نہیں لا سکی' اور انسانی معاشرہ ایک بار پھر پریشانی اور اضطراب کے عالم میں اپنے مسائل و مشکلات کے حل کے لیے کسی مسیحا کے انتظار میں ہے۔

آج دنیا میں انسانی حقوق کی زبان سب سے زیادہ توجہ کے ساتھ سنی جانے والی زبان ہے' جبکہ ورلڈ میڈیا نے اسے صرف زبان کی حد تک نہیں رہنے دیا بلکہ وقت کا موثر ترین ہتھیار بنا دیا ہے جو عالم اسلام اور تیسری دنیا کی اقوام کے خلاف مغرب کے ہاتھوں میں کامیابی کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے اور مغرب جسے چاہتا ہے' اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر اور جنیوا کنونشن کی قراردادوں کے شکنجے میں جکڑ کر انسانی حقوق کی چھری کے ساتھ ذبح کر دیتا ہے۔

حضرات محترم!

مغرب انسانی حقوق کے حوالہ سے جتنے بلند بانگ دعوے کر لے' مگر انسانی حقوق اور فری سوسائٹی کے مغربی تصور پر مبنی سولائزیشن نے نتائج و ثمرات کے لحاظ سے آج جو روپ دھار لیا ہے' اس نے خود مغربی دانش وروں کو حیران و ششدر کر دیا ہے اور مغربی معاشرہ میں جنسی انارکی اور فیملی سسٹم کی تباہی نے گورباچوف جیسے مدبر کو یہ لکھنے پر مجبور کر دیا ہے

کہ ہم نے عورت کو گھر سے نکال کر غلطی کی ہے اور اب اسے گھر واپس لے جانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آرہا۔

دراصل مغرب حقوق و فرائض میں توازن قائم رکھنے اور ان کے درمیان حد فاصل قائم کرنے میں ناکام رہا ہے' جبکہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق اور فرائض کو

نہ صرف یکجا ذکر کیا' بلکہ ان کے درمیان ایک ایسا حسین توازن قائم کر دیا جو گاڑی کے دو پہیوں کی طرح انسانی زندگی کا یکساں بوجھ اٹھا سکتا اور اسے لے کر کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ سکتا ہے۔ مگر مغرب نے حقوق و فرائض کو آپس میں گڈ مڈ کر دیا اور ان کے درمیان کوئی خط امتیاز قائم نہ رہنے دیا' جس کی وجہ سے انسانی معاشرہ ذہنی انتشار اور فکری انارکی کی آماجگاہ بن کر رہ گیا ہے۔

مثلاً" اقتدار اور حکومت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض اور ذمہ داریوں میں شمار کیا ہے اور قدم قدم پر اس ذمہ داری کی نزاکت اور سنگینی سے خبردار کیا ہے' جس کا منطقی نتیجہ حکمرانوں میں احساس ذمہ داری اور خدا خوفی کی صورت میں ظاہر ہوا اور لوگ اقتدار کی دوڑ میں شریک ہونے کے بجائے اس سے بچنے میں عافیت محسوس کرنے لگے۔ مگر مغرب نے اسے حقوق کی فہرست میں رکھ دیا اور اس حق کو حاصل کرنے کے لیے جو دوڑ لگتی ہے' اس کے فوائد و نقصانات کا تناسب ہر ذی شعور پر واضح ہے۔

اسی طرح محنت' مزدوری اور ملازمت کے ذریعے روزی کمانا اور اہل خانہ کی کفالت کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی رو سے فرائض کا حصہ ہے اور ڈیوٹی ہے جو گھر کے سربراہ پر عائد ہوتی ہے' مگر مغرب نے پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں بے شمار افراد کے قتل ہو جانے کے باعث پیدا ہو جانے والے افرادی قوت کے خلا کو پر کرنے کے لیے عورت کو گھر سے باہر لانے کی ضرورت محسوس کی تو ملازمت اور محنت و مزدوری کی ڈیوٹی پر "حقوق" کا خوشنما لیبل چسپاں کر کے اس غریب کو ورغلا لیا اور وہ "عقل کی پوری" بچہ جننے اور اس کی پرورش کرنے کی ڈیوٹی کے ساتھ ساتھ اسے کما کر کھلانے کی ڈیوٹی میں بھی شامل ہو کر خوش ہونے لگی کہ اب میں مردوں کے شانہ بشانہ "مساوی حقوق" سے بہرہ ور ہو گئی ہوں۔

اسی طرح جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" اور حکومت کے غلط طرز عمل پر نقد و جرح کو فرائض میں شمار کیا ہے جو حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی کسی تقسیم کے بغیر معاشرہ کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق بلند کرنے کو جہاد قرار دیا ہے اور یہ تعلیم دی ہے کہ جو شخص دیکھتے جانتے ہوئے بھی غلط کو غلط نہیں کہتا' وہ شریعت کی نظر میں مجرم ہے۔ مگر مغرب نے آزادی رائے اور حکومت کی غلط پالیسی پر اسے ٹوکنے کو فرائض کے زمرہ سے

نکال کر حقوق کے دائرہ میں شامل کر لیا' جس کا ایک نتیجہ تو یہ نکلا کہ یہ ایک اختیاری امر بن گیا اور دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ "حقوق" کے تصور نے اقتدار اور اپوزیشن کی صف بندی کر دی اور پوری قوم کو دو حصوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا۔

یہ چند مثالیں اس بات کو واضح کرنے کے لیے پیش کی گئی ہیں کہ مغرب نے "حقوق و فرائض" کو خلط ملط کر کے انسانی معاشرہ کی گاڑی کے دونوں پہیوں کا توازن بگاڑ دیا ہے' جس کی وجہ سے گاڑی مسلسل لڑکھڑاتی چلی جا رہی ہے' جبکہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق و فرائض میں توازن قائم کیا اور اس کا عملی نمونہ خلافت راشدہ کی صورت میں پیش کر کے دنیا کو دکھا دیا۔

سامعین گرامی قدر!

مغرب سے انسانی حقوق کے حوالہ سے دوسری بنیادی غلطی یہ ہوئی کہ حقوق کے تعین کا معیار قائم کرنے میں اس کی نگاہ انسانی معاشرے کی وسیع تر ضروریات کا احاطہ نہ کر سکی۔ مغرب نے حق کے تعین میں معیار یہ پیش کیا کہ ہر شخص کو اپنی مرضی پر عمل کرنے کا حق ہے' جب تک کہ دوسرے شخص کی آزادی متاثر نہ ہو۔ اس طرح مغرب نے حق اور ناحق اور جائز اور ناجائز کے تعین میں شخصی مفادات و ضروریات میں ہم آہنگی یا ٹکراؤ کو بنیاد بنایا اور اس سے آگے نسل انسانی اور انسانی معاشرہ کی اجتماعی ضروریات و مفادات تک اس کی نگاہ نہ جا سکی' جس کا خمیازہ مغرب کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔

مثلاً" مرد و عورت کے اختلاط میں مغرب نے یہ تصور پیش کیا کہ جس درجہ کے اختلاط پر وہ دونوں باہم رضامند ہوں' کسی تیسرے کو اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی قانون کو گرفت کرنی چاہیے۔ یہاں مغرب نے مرد اور عورت کی باہمی رضامندی تو دیکھ لی مگر پورے معاشرہ پر اس اختلاط کے اثرات کو نہ دیکھ سکا جس کے نتیجے میں کنواری ماؤں اور ناجائز بچوں کے تناسب میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور فیملی سسٹم تباہی کی آخری حدود کو چھو رہا ہے' جبکہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد و عورت کی اس باہمی رضامندی کو بھی جرم قرار دیا ہے جو پورے معاشرے کے لیے منفی نتائج کا باعث بن سکتی ہو اور مرد و عورت کے اختلاط اور میل جول کا ایک دائرہ قائم کر کے باقی ہر قسم کے میل جول سے منع فرما دیا ہے' کیونکہ کسی بھی عمل کے جائز ہونے کے لیے صرف اس عمل کے دو فریقوں کا رضامند ہونا کافی نہیں بلکہ انسانی معاشرہ کا اس کے منفی اثرات سے محفوظ رہنا بھی

ضروری ہے اور یہی بنیاد ہے اس توازن کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد و عورت کے تعلقات کے حوالہ سے قائم فرمایا ہے۔

اسی طرح سود کے بارے میں مغرب نے کہا کہ جب سود لینے اور دینے والے آپس میں متفق ہیں تو کسی اور کو کیا اعتراض ہے؟ یہاں بھی مغرب نے دو افراد کی رضامندی کے محدود دائرہ کو بنیاد بنایا جبکہ جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرہ پر مجموعی طور پر اس کے منفی اثرات کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی حرمت کا اعلان فرمایا اور آج سودی معیشت نے جس طرح پوری دنیا کو چند مخصوص گروہوں کی معاشی اجارہ داری کے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے' وہ اسلامی تعلیمات کی صداقت اور جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدا داد فراست و بصیرت کی روشن اور کھلی شہادت ہے۔

ان گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے حوالہ سے ہمیں آج کھلے دل و دماغ کے ساتھ انسانی حقوق کے مغربی تصور کا جائزہ لینا چاہیے اور اس کے وسیع تر پراپیگنڈہ سے مرعوب ہونے کے بجائے اس کے کھوکھلے پن کو تقابلی مطالعہ کے ساتھ سامنے لا کر اسلامی تعلیمات و احکام کو واضح کرنا چاہیے تاکہ مشکلات و مصائب کے صحرا میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کی اسوہ حسنہ کے شفاف اور خوش ذائقہ چشمہ حیات کی طرف راہ نمائی کی جاسکے۔

حضرات گرامی قدر!

مغرب اور انسانی حقوق کے حوالہ سے گفتگو چلی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انسانی حقوق کے فلسفہ کی فکری بنیادوں سے ہٹ کر اس کے واقعاتی پہلوؤں پر بھی کچھ معروضات پیش کر دی جائیں' بالخصوص اس تضاد اور دو عملی کے پس منظر میں جو مغرب نے عالم اسلام کے بارے میں اختیار کر رکھا ہے اور جس نے یہ بات پوری طرح واضح کر دی ہے کہ مغرب کے نزدیک "انسانی حقوق" کسی فلسفہ یا اصول کا نام نہیں بلکہ یہ محض ایک ہتھیار ہے جو اس نے مخالف اقوام پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے اختیار کر رکھا ہے۔ ورنہ مغرب جو ووٹ' الیکشن اور بیلٹ بکس کے تقدس کا علمبردار ہے اور غیر جمہوری حکومتوں کا اپنے ساتھ برابر کی سطح پر بیٹھنا گوارا نہیں کرتا' الجزائر میں اسلامک سالویشن فرنٹ کی انتخابی کامیابی پر آتش زیرپا کیوں ہے؟ اور اسلامک فرنٹ کی جمہوری قوت کو کچلنے کے لیے الجزائر کی غیر جمہوری حکومت کی پشت پناہی کیوں کر رہا ہے؟ آج اس مغرب کو بوسنیا کے خلاف سربوں

کی جارحیت اور بوسنیا کے مسلمانوں کا گاجر مولی کی طرح کٹتے چلے جانا نظر نہیں آرہا' صرف اس لیے کہ جن کی عصمتیں لٹ رہی ہیں اور جن کی گردنیں کٹ رہی ہیں' وہ مسلمان کہلاتے ہیں اور مغرب' سلامتی کونسل کی اٹھک بیٹھک اور زبانی جمع خرچ کے ساتھ سربوں کی مکمل فتح کا انتظار بلکہ عملاً" اس کے لیے راہ ہموار کر رہا ہے۔

سامعین ذی وقار!

اس مغرب کو وادی کشمیر میں گھر گھر بہنے والا خون بھی نظر نہیں آرہا اور نہ حوا کی بیٹیوں کی دل فگار چیخیں مغرب کے کانوں تک پہنچ پا رہی ہیں۔ کشمیر میں انسانی حقوق کے ساتھ ہولی کھیلی جا رہی ہے مگر چونکہ مرنے والے مسلمان ہیں اور ان کے ساتھ مغرب کا کوئی مفاد وابستہ نہیں ہے' اس لیے کشمیر کے حوالے سے مغرب کے کان اور آنکھیں بند ہیں اور اس کے انسانی حقوق کے سارے کے سارے فلسفے مصلحتوں کے فریزر میں منجمد پڑے ہیں۔

سچی بات یہ ہے کہ کشمیر' بوسنیا' فلسطین نے اور اب چیچنیا کے خلاف روسی جارحیت کے حوالہ سے منافقانہ طرز عمل نے مغرب کے چہرے سے "انسانی حقوق" کا ریا کارانہ نقاب نوچ پھینکا ہے اور اس کا اصل چہرہ دنیا کے سامنے کر دیا ہے جس کے بعد اس کے پیش کردہ "انسانی حقوق" کا ظاہری بھرم بھی قائم رہتا نظر نہیں آتا۔ اس لیے مسلم علماء اور دانش وروں کو چاہیے کہ وہ حوصلہ اور اعتماد کے ساتھ آگے بڑھیں اور دنیا کو منطق و استدلال کے ساتھ بتائیں کہ انسانی حقوق کا حقیقی فلسفہ اور متوازن نظام وہی ہے جو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا اور آج بھی انسانی معاشرہ کی فلاح و کامیابی اسی نظام کو اپنانے پر منحصر ہے۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

فن تجوید کے موضوع پر انتہائی جامع اور مدلل کتاب

معارف التجوید

مولف : مولانا قاری حبیب الرحمٰن ہزاروی

کمپیوٹر کمپوزنگ ○ معیاری طباعت ○ صفحات ۱۲۸

ناشر: ندوۃ المعارف' مرکزی جامع مسجد گکھڑ' گوجرانوالہ

ڈاکٹر صفدر محمود

مغربی میڈیا' انسانی حقوق' اسلامی بنیاد پرستی اور ہم

موجودہ دور میڈیا کا دور ہے۔ غور کیا جائے تو محسوس ہو گا کہ مغرب محض موثر اور طاقتور میڈیا کے ذریعے ہمارے ذہنوں پر حکومت کر رہا ہے۔ یہاں ہم سے مراد صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ پاکستان جیسے ۸۰ ممالک بھی اس فہرست میں شامل ہیں۔ جہاں سیاسی شعور کا فقدان ہے' جہالت عروج پر ہے اور تعلیم یافتہ طبقہ ہر قسم کی راہنمائی کے لئے مغرب کی جانب دیکھتا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ ایک طرح سے ہمارے پڑھے لکھے طبقے کا احساس کمتری ہے کہ وہ مغرب کے ایجاد کردہ ہر لفظ اصطلاح اور محاورے کو یوں قبول کر لیتا ہے جیسے یہ الہامی بات اور مقدس لفظ ہو۔ چنانچہ اس طرح مغربی میڈیا وقتاً" فوقتاً" نئے نئے شوشے چھوڑتا رہتا ہے جن کا مقصد ہماری سوچ کو متاثر کرنا اور ہماری فکر کو ایک خاص رخ پر ڈالنا ہوتا ہے۔ یاد رکھیئے کہ یہ دور جسمانی غلامی کا نہیں' ذہنی غلامی کا ہے۔ ماضی میں جب ضعیف قوموں کو غلام اور کمزور ملکوں کو تجارتی مقاصد کے لئے کالونی بنایا جاتا تھا تو مغربی ممالک نے پسماندہ اقوام کی ایک بڑی تعداد کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ اس دور میں انسانی حقوق کا کہیں ذکر نہیں تھا۔ کیونکہ انسانی حقوق کا فلسفہ مغربی استعمار کے مفادات کے منافی تھا بلکہ مغربی استعمار کی نفی کرتا تھا۔ اس طرح مغربی ممالک صدیوں تک پسماندہ ممالک کو اپنی کالونیاں بنا کر ان کے وسائل کو اپنی صنعتی و تجارتی ترقی کے لئے استعمال کرتے رہے۔ اگر آپ لندن' پیرس اور روم جیسے خوبصورت شہروں کی بڑی بڑی شاہراہوں' عمارات اور صنعتی مراکز کی بنیادوں میں جھانکیں تو ان میں سے آپ کو اپنے بزرگوں کے خون اور پسینے کی خوشبو آئے گی۔

جب ان استعماری قوتوں کو آزادی کی تحریکوں کے سامنے ہتھیار ڈال کر غلام ممالک سے رخصت ہونا پڑا تو اسکے ساتھ ہی انہیں جمہوری اقدار اور انسانی حقوق کا خیال آیا۔ چنانچہ انسانی حقوق کے دفاع کے لئے عالمی سطح پر انجمنیں بنائی گئیں۔ کل تک انسانوں کو حیوانوں سے کم تر سمجھنے والے چند ہی برسوں میں انسانی حقوق کے ٹھیکے دار بن گئے۔ گویا پرانا شکاری نیا جال لے کر آگیا۔ اس وقت بعض ممالک میں یہ انجمنیں بہت مفید کام کر رہی ہیں لیکن لطف یہ ہے کہ جن ممالک میں اولاد آدم کو مغربی اقوام کی ملی بھگت سے کچلا جا رہا ہے وہاں بھی انسانی حقوق کی انجمنیں موجود ہیں جو بے کار ہیں اور غیر موثر ہیں۔

گزشتہ چند برسوں سے اولاد آدم کے انسانی حقوق کی حفاظت کی اجارہ داری امریکہ کے پاس

ہے۔ ادھر مغربی میڈیا نے انسانی حقوق کو ایک آئیڈیالوجی بلکہ مذہب کا درجہ دے دیا ہے جس سے امریکہ کو یہ استحقاق حاصل ہو گیا ہے کہ وہ کسی بھی ایسے ملک کے اندرونی معاملات میں دخل دے سکتا ہے بلکہ اسے دہشت گرد قرار دے کر سزا کا حقدار ٹھہرا سکتا ہے' جہاں انسانی حقوق پر زد پڑتی ہو۔ کس ملک میں انسانی حقوق پامال ہو رہے ہیں؟ اس کا فیصلہ بھی امریکہ ہی کرے گا۔ چنانچہ امریکہ عراق پر بمباری کر کے سینکڑوں معصوم شہریوں کو موت کی نیند سلا دے تو وہ انسانی حقوق کے حوالے سے درست اقدام قرار دیا جاتا ہے لیکن بوسنیا میں ہزاروں معصوم مسلمان سربیائی ظلم کی بھینٹ چڑھ جائیں تو امریکہ کے ضمیر میں خلش نہیں ہوتی کیونکہ بوسنیا مسلمان ملک ہے۔ اسی طرح پاکستان اگر کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کی اخلاقی مدد کرے تو وہ سزا کا مستحق ہے لیکن بھارت اگر ہزاروں مسلمانوں کو گولی کا نشانہ بنا دے' اس سے چشم پوشی برتی جائے گی۔

انسانی حقوق کے حوالے سے مجھے ایک دلچسپ واقعہ یاد آیا۔ جون ۱۹۹۱ء میں ایک بین الاقوامی سیمینار کے ضمن میں مجھے سان فرانسسکو جانے کا موقعہ ملا۔ اس سیمینار میں ایشیائی ممالک کے سکالرز کے علاوہ مختلف امریکی یونیورسٹیوں سے بھی ممتاز پروفیسر صاحبان بلائے گئے تھے۔ سیمینار کے آغاز سے ایک روز قبل میں نے ٹیلی ویژن آن کیا تو ایک دلچسپ خبر بمعہ تبصرہ سننے کو ملی۔ کیلی فورنیا کی ریاست میں جنگلات کے وسیع ذخیرے پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہاں عمارات کی تعمیر میں لکڑی کا عمل جاری رہتا ہے۔ خبر یہ تھی کہ کٹائی کے دوران ماہرین جنگلات کو اچانک پتہ چلا کہ اس جنگل میں ایک الو صاحب نے اپنا مستقل "گھر" بنا رکھا ہے اور جب سے درختوں کی کٹائی کا سلسلہ شروع ہوا ہے الو صاحب اداس رہنے لگے ہیں۔ الو کی اداسی کی خبر سے اس علاقے میں احتجاج ہوا اور کیلی فورنیا کی حکومت نے جنگل کی کٹائی روک دی جس سے لکڑی کی قیمت میں اضافہ ہو گیا اور گھروں کی تعمیر قدرے مہنگی ہو گئی۔ میں نے یہ ساری خبر اور اس پر تبصرہ ٹیلی ویژن پر سنا اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

اگلے دن سیمینار کے دوران چائے کا وقفہ ہوا تو میں نے ممتاز امریکی پروفیسر صاحبان سے اس خبر کا تذکرہ کیا۔ وہ پہلے ہی اس سے آگاہ تھے لیکن جب میں نے ان سے ذکر کیا تو ان کے چہرے خوشی سے گلاب کی مانند کھل گئے۔ اس صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے یہ سوال داغ دیا کہ آپ نے ایک پرندے کی اداسی کی خاطر جنگل کی کٹائی روک کر لکڑی کی قیمت میں اضافہ برداشت کر لیا لیکن چار پانچ ماہ قبل عراق کے معصوم شہریوں پر بموں کی بارش کی جا رہی تھی تو آپ کیوں خاموش رہے؟ کیا آپ کو ایک جانور مسلمان کی زندگی سے زیادہ عزیز ہے؟ میرے اس سوال سے چہروں کے رنگ اڑ گئے۔ اس ایک واقعے سے آپ امریکہ کی انسانی حقوق سے کمٹ منٹ کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

بات یہاں سے چلی تھی کہ آج کا دور میڈیا کا دور ہے۔ میڈیا بد قسمتی سے یہودیوں کے قبضے میں ہے' ور یہودیوں کا نشانہ بہر حال اسلام اور مسلمان ہیں۔ اب جب کہ مغربی ممالک غیر ترقی یافتہ ممالک سے بوریا بستر لپیٹ کر رخصت ہو چکے ہیں تو انہوں نے ان ممالک پر حکمرانی کا ایک نیا طریقہ وضع کیا ہے اور وہ طریقہ ہے میڈیا کے زور پر ذہنوں پر حکومت کرنا۔ نصف صدی قبل جسمانی غلامی کا دور تھا جب کہ موجودہ زمانہ ذہنی غلامی کا زمانہ ہے۔ جسمانی غلامی بھی ہمارا مقدر تھی اور ذہنی غلامی بھی ہماری ہی قسمت کا حصہ ہے۔ سوچئے تو سہی کہ اس کی وجوہ کیا ہیں؟

اسی پس منظر میں مغربی میڈیا جب چاہتا ہے کوئی نئی اصطلاح اور کوئی نیا شوشہ چھوڑ دیتا ہے۔ دنیا کے بہترین رسائل جن میں ادبی تحقیقی اور سیاسی پرچے شامل ہیں' مغربی ممالک سے شائع ہو کر ساری دنیا میں پھیل جاتے ہیں۔ ان رسائل میں اکثر اوقات ایک خاص نقطہ نظر پیش کیا جاتا ہے جو مغربی دنیا کے مفادات کے عین مطابق ہوتا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ عالمی شہرت کے رسالے ٹائم "اکانومسٹ" اور نیوز ویک پر یہودی لابی غالب ہے۔ یہ رسالے ہر ہفتے بین الاقوامی سیاست پر تبصرے کرتے اور تجزیے شائع کرتے ہیں جنہیں ہم من و عن مقدس تحریر سمجھ کر یوں قبول کر لیتے ہیں کہ ان کے سیاق و سباق پر غور ہی نہیں کرتے۔ پھر ہر محفل میں ان کے حوالے دے کر حاضرین محفل کو متاثر کیا جاتا ہے۔ لطف یہ کہ خود حاضرین بھی ان تبصروں کو ٹائم اور نیوز ویک کے حوالے سے حرف آخر سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں۔ ہم نے کبھی یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی کہ عراق ہو' ایران ہو یا بوسنیا' یہ رسائل اپنے تجزیوں میں ڈنڈی ضرور ماریں گے اور کسی نہ کسی طرح اسلام اور مسلمان سے اس طرح چٹکی ضرور لیں گے کہ قاری کو محسوس بھی نہ ہو اور الفاظ اپنا کام بھی کر جائیں۔ عراق کویت جنگ اور انقلاب ایران کے دوران ان رسائل نے اپنا بھرپور کردار سرانجام دیا اور عالمی رائے عامہ کو اپنی ضروریات کے سانچے میں ڈھالا۔ صرف میڈیا ہی کا کمال ہے کہ کوئی بھی اسلامی ملک اپنے موقف میں کتنا ہی حق بجانب کیوں نہ ہو عالمی سطح پر معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور وہ سربراہان حکومت جو مغربی مفادات کے خلاف کام کرتے ہیں انہیں تمسخر کا نشانہ بنا دیا جاتا ہے۔ غور کیجئے تو محسوس ہو گا کہ یہ ایک طرح سے ہماری غلامانہ ذہنیت کی علامت ہے۔

کبھی کبھی یوں بھی ہوا ہے کہ جب کسی ناقابل قبول حکمران کو بدلنا مقصود ہوتا ہے تو میڈیا سے ہراول دستے کا کام لیا جاتا ہے وہ اس طرح کہ مغربی میڈیا بڑی طاقتوں کی خفیہ ایجنسیوں کی ملی بھگت سے ایسے حکمرانوں کی ذاتی زندگی اور قومی کردار کے بارے میں من گھڑت کہانیاں شائع کرتا ہے اور آزادی اظہار کے نام پر ان شخصیات کی اس طرح کردار کشی کی جاتی ہے کہ نہ صرف عالمی سطح پر ان کا امیج خراب ہوتا ہے بلکہ خود ان ممالک کے عوام بھی اپنے حکمرانوں سے

نفرت کرنے لگتے ہیں۔ آپ نے اکثر مشاہدہ کیا ہو گا کہ بڑی طاقتوں کے لئے "ناپسندیدہ حکمرانوں" کے بارے میں عجیب و غریب خفیہ داستانیں پھیلائی جاتی ہیں جب کہ اپنے حواری اور پسندیدہ حکمرانوں کی ایسی حرکات چھپائی جاتی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ موجودہ دور میں میڈیا کا کردار فیصلہ کن حیثیت اختیار کر گیا ہے اور جو مقاصد ماضی میں فوجی یلغار سے حاصل کئے جاتے تھے وہ مقاصد اب میڈیا کی یلغار سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

مغربی میڈیا کی مہربانی سے ایک مردہ اصطلاح میں جان ڈالی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک متروکہ اصطلاح پوری دنیا میں مقبول ہو گئی۔ وہ اصطلاح ہے "فنڈا میشالزم" یعنی "بنیاد پرستی" امریکہ اور انگلستان میں شائع شدہ انگریزی لغات کے مطابق " فنڈا میشالزم" کا مطلب ہے "عیسائیت کے پرانے اعتقادات پر یقین رکھنا"۔ "موجودہ عیسائیت جو سائنس سے متاثر ہے' اس کے مقابلے میں پرانی تعلیمات اور بائبل کے اصل الفاظ کو ماننا" عیسائیت میں تو بنیاد پرستی سمجھ میں آتی ہے۔ کیونکہ عیسائیت میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خاصی تبدیلی آئی ہے بلکہ خود بائبل بھی اصلی حالت میں موجود نہیں رہی لیکن جہاں تک اسلام کا تعلق ہے ہمارا ایمان ہے کہ اسلام بدلا ہے نہ قرآن اور نہ ہی قرآن قیامت تک بدلے گا۔

اسلام کے بنیادی عقائد وہی ہیں جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے تھے۔ اگرچہ اسلام میں مذہبی فرقوں کی کمی نہیں لیکن اختلاف تفصیلات پر ہے نہ کہ بنیادی عقائد پر۔ چنانچہ اسلام میں دراصل بنیاد پرستی کا تصور اس طرح موجود نہیں جس طرح عیسائیت میں ہے لیکن مغربی میڈیا نے اسلام میں بنیاد پرستی کی اصطلاح ایجاد کر کے ان مسلمانوں کو نفرت اور تضحیک کا نشانہ بنایا ہے جو عملاً" مسلمان ہیں۔ میرے نزدیک اسلام میں بنیاد پرستی کا مطلب اسلام کے بنیادی عقائد پر عمل کرنا ہے یعنی ہر وہ مسلمان جو نماز پڑھتا ہے روزے رکھتا ہے اور زکوۃ ادا کرتا ہے' اسے مغربی میڈیا بنیاد پرست مسلمان کہے گا۔ ہمارے ایک بزرگ دوست کے بقول اگر مسلمان نماز پڑھتا ہے تو وہ بنیاد پرست ہے لیکن اگر وہ تہجد پڑھتا ہے تو پھر وہ بہر صورت "دہشت گرد" ہے۔

کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ یہ اصطلاح چند برس قبل افغانستان کی جنگ کے حوالے سے استعمال ہونی شروع ہوئی اور چند ہی برسوں میں اس نے دنیائے اسلام کو معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ مغربی میڈیا نے نہایت ہوشیاری سے بنیاد پرستی کا مطلب' جاہل' ترقی دشمن' دہشت گرد' دقیانوسی اور کٹر نظریات کے مفہوم کے طور پر پیش کیا بلکہ اس قدر زور و شور سے اس کا شور مچایا کہ ہر مسلمان ہاتھ باندھ کر کہنے لگا کہ حضور میں بنیاد پرست نہیں ہوں حالانکہ بنیاد پرستی کا مطلب فقط اسلام کے بنیادی عقائد پر عمل کرنا ہے' اور اس کا مطلب ہرگز

دہشت گردی یا دقیانوسی نہیں۔ چنانچہ اب جب بھی کوئی مغربی صحافی اسلامی ممالک میں جاتا ہے اور سربراہان حکومت یا دوسری اہم ملکی شخصیات سے یہ سوال پوچھتا ہے کہ کیا آپ بنیاد پرست ہیں تو جواب ملتا ہے کہ ہم بالکل بنیاد پرست نہیں۔ ہم اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم اسلام کے بنیادی ارکان پر یقین رکھتے ہیں نہ عمل کرتے ہیں۔

خود مغربی میڈیا بنیاد پرستی کا لیبل لگانے میں کس قدر انصاف سے کام لیتا ہے اس کا اندازہ صرف اس ایک مثال سے لگایئے کہ جب تک گلبدین حکمت یار افغانستان میں روسی قبضے کے خلاف لڑ رہا تھا جس سے امریکی مفادات حاصل ہوتے تھے' تو وہ جنگ آزادی کا ہیرو تھا لیکن جب روس کی شکست کے بعد اس نے امریکی لائن پر چلنے سے انکار کیا تو مغربی میڈیا نے اسے بنیاد پرست کہہ کر مسترد کر دیا۔ گویا مغربی ممالک اپنے میڈیا کو ایک طرح سے ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہے ہیں جو ایٹم بم سے کم خطرناک نہیں ہے۔

مغربی میڈیا نے اسلامی بنیاد پرستی کے تصور کو جس طرح مسخ کیا ہے اور اس کا مفہوم بدل کر دنیائے اسلام کو معذرت خواہ بنا لیا ہے اس کی ایک تازہ مثال پاکستان کے کمیشن برائے انسانی حقوق کی وہ رپورٹ ہے جس کا ایک حصہ بعض اردو اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ مجھے یہ رپورٹ پڑھنے کا موقع نہیں ملا لیکن اس کے ایک فقرے نے مجھے چونکا دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کمیشن نے اپنی رپورٹ میں اپنی تحقیق کی وضاحت کی ہو اور اپنے نتائج کے حق میں دلائل دیئے ہوں لیکن بہرحال یہ فقرہ قابل غور ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ میڈیا کس طرح اسلامی بنیاد پرستی کا حلیہ بگاڑ رہا ہے۔

اخبارات کے مطابق رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ "خواتین کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کی وجہ اسلامی بنیاد پرستی کا بڑھتا ہوا رجحان ہے"۔ اب ذرا اس کا تجزیہ کیجئے کہ اسلامی بنیاد پرستی کے رجحان کا مطلب کیا ہے۔ اسلامی بنیاد پرستی کا مطلب انسان کا مذہبی ہونا اور شریعت کا پابند ہونا ہے۔ گویا اس رپورٹ کے مطابق پاکستان میں مذہب کا رجحان بڑھ رہا ہے جس کے سبب عورتوں سے زیادتی کے مقدمات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ غور کیجئے کہ کس قدر خطرناک ہے یہ بات۔

اس کے برعکس ہم سمجھتے ہیں کہ صحیح اور سچا مسلمان' جسے عاقبت کا خوف ہو' جو شریعت کا پابند ہو اور جسے یوم حساب کا احساس ہو وہ ایسا فعل کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا کجا یہ کہ اس میں برائی کا رجحان بڑھے۔ اسی طرح وہ اسلامی ممالک جہاں اسلامی شرعی سزائیں نافذ ہیں اور جنہیں بنیاد پرستی کا طعنہ دیا جاتا ہے ان معاشروں میں عورت جس قدر محفوظ ہے اس کا تصور بھی مغرب کے آزاد معاشرے میں نہیں کیا جا سکتا۔ سعودی عرب میں عورتوں سے زیادتی کے

واقعات بہت ہی کم ہوتے ہیں' جب کہ نیویارک میں ہر پانچ منٹوں کے بعد عورت سے زیادتی کی واردات رپورٹ ہوتی ہے۔ کیا امریکہ بھی بنیاد پرست ہے کہ وہاں عورتوں سے زیادتی کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر ایسا نہیں تو مغربی ممالک میں تمام تر مادر پدر آزادی کے باوجود عورتوں سے زیادتی کے واقعات اتنی بڑی تعداد میں کیوں ہوتے ہیں۔

میں اسی پہلو پر مزید لکھ کر رپورٹ کے بارے میں غلط فہمیاں نہیں کرنا چاہتا۔ مقصد فقط یہ ثابت کرنا تھا کہ موجودہ دور میڈیا کا دور ہے' میڈیا کی لگام مغرب کے ہاتھ میں ہے اور وہ میڈیا کے زور پر ہمارے ذہنوں پر چھایا ہوا ہے۔ بنیاد پرستی کا پراپیگنڈہ اسی مہم کا حصہ ہے حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ مغرب اسلام کے احیاء اور اسلامی ممالک میں عوامی سطح پر ابھرتی ہوئی مذہبی لہر سے خوف زدہ ہے جس کا مقابلہ کرنے کے لئے مغربی میڈیا نے بنیاد پرستی کے خلاف محاذ کھول رکھا ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارا پڑھا لکھا طبقہ مغرب سے اس قدر متاثر ہے کہ وہ مغربی نظریات' تصورات اور اصطلاحیں آنکھیں بند کر کے قبول کر لیتا ہے۔ گویا ہم نے مغرب سے جسمانی غلامی سے تو نجات کر لی ہے۔ لیکن ذہنی غلامی سے نہیں۔ ذہنی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے بھی اسی طرح تحریکیں چلانے کی ضرورت ہے جس طرح ہم نے آزادی کے حصول کے لئے تحریکیں چلائی تھیں۔

بشکریہ "جنگ" لاہور ۲۲ جنوری ۹۳

حقوق نسواں اور خواتین کی عالمی کانفرنسیں

بیجنگ میں خواتین کی چوتھی عالمی کانفرنس کا آغاز ہو چکا ہے جس میں خواتین کے حقوق اور مختلف معاشروں میں انہیں درپیش مسائل و مشکلات پر غور ہو گا اور ان کے حل کے لیے تجاویز زیر بحث آئیں گی۔ گزشتہ سال قاہرہ میں اس نوعیت کی کانفرنس منعقد ہو چکی ہے جس کی منظور کردہ سفارشات اور تجاویز کو سامنے رکھتے ہوئے بیجنگ کی خواتین کانفرنس کے بنیادی اہداف و مقاصد کو سمجھنا مشکل نہیں ہے اور یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ ان کانفرنسوں کا اصل مقصد تیسری دنیا اور عالم اسلام کی خواتین کو معاشرتی لحاظ سے اس مقام اور حیثیت پر لانا ہے جو مغربی معاشرہ میں عورت کو حاصل ہے اور جسے خواتین کے حقوق کے حوالے سے آئیڈیل مقام قرار دیا جا رہا ہے۔ جہاں تک خواتین کے جائز حقوق اور ان کے صحیح اور شایان شان معاشرتی مقام و مرتبہ کا تعلق ہے تو یہ بات شک و شبہ سے بالا تر ہے کہ دنیا میں اس وقت کسی جگہ بھی مجموعی طور پر خواتین کو معاشرہ میں وہ مقام و حیثیت حاصل نہیں ہے جو حوا کی ان بیٹیوں کا جائز اور فطری حق ہے اور ہمارے نزدیک اس معاملہ میں مغرب کے ترقی یافتہ ممالک اور تیسری دنیا اور عالم اسلام کے ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک سب ہی تھوڑے بہت فرق کے ساتھ یکساں طور پر قصور وار ہیں' اس لیے اگر خواتین کی ان عالمی کانفرنسوں کا مقصد صرف یہ ہو کہ خواتین کے ساتھ ہونے والی معاشرتی ناانصافیوں کے خلاف آواز بلند کی جائے اور کسی سوسائٹی کا لحاظ کیے بغیر عورت کے جائز اور فطری معاشرتی مقام و مرتبہ کی بحالی کے لیے جدوجہد کی جائے تو یہ انتہائی خوش آئند بات ہو گی اور اس صورت میں ملت اسلامیہ کے اہل علم و دانش کی بھی ذمہ داری ہو گی کہ وہ اس جدوجہد میں شریک ہوں اور اس کے حق میں عالم اسلام کی رائے عامہ کو ہموار کرنے کی کوشش کریں لیکن قاہرہ میں

کانفرنس کی سفارشات اور تجاویز کو سامنے رکھا جائے تو صورت حال اس سے یکسر مختلف نظر آتی ہے اور مسئلہ خواتین کے جائز حقوق و مقام کا تعین اور اس کے لیے جدوجہد کا نہیں رہ جاتا بلکہ خواتین کے حوالے سے ویسٹرن سولائزیشن کو آئیڈیل اور معیار قرار دینے اور دنیا بھر کے دیگر انسانی معاشروں کو اس کی پیروی پر مجبور کرنے کا بن جاتا ہے اور یہی وہ دوراہا ہے جہاں تیسری دنیا اور عالم اسلام کے دانش وروں کا راستہ مغربی دانش وروں اور میڈیا کاروں سے الگ ہو جاتا ہے اور وہ ان کانفرنسوں کو خواتین کے حقوق کی بحالی کی بجائے ویسٹرن سولائزیشن کی بالادستی قائم کرنے کی جدوجہد کا ایک حصہ قرار دے کر ان سے اختلاف کرتے ہیں۔

عالم اسلام کی بد قسمتی یہ ہے کہ ایک آدھ کی جزوی استثناء کے ساتھ اس کے تمام ممالک پر ابھی تک دور غلامی کے اثرات کا غلبہ ہے اور عالمی استعمار کی مداخلت اور سازش کی وجہ سے مسلم ممالک کا معاشرتی نظام اسلامی اصولوں پر استوار نہیں ہو سکا چنانچہ دنیا میں کہیں بھی اسلامی معاشرہ کا وہ مثالی ڈھانچہ موجود نہیں ہے جسے بطور نمونہ پیش کیا جا سکے' اس لیے مغربی میڈیا کار اس میں آسانی محسوس کر رہے ہیں کہ مسلم ممالک کے موجودہ معاشرتی ڈھانچوں کو اسلام کا نمائندہ قرار دے کر ان تمام ناانصافیوں اور حق تلفیوں کو اسلام کے کھاتے میں ڈال دیں جو ان مسلم ممالک میں سیاسی' معاشرتی اور معاشی طور پر روا رکھی جا رہی ہیں' ورنہ جہاں تک حقوق کا تعلق ہے' معاشرہ کے کسی طبقہ کو سامنے رکھ لیں' اس کے حقوق و ذمہ داریوں میں اسلام نے جو توازن قائم کیا ہے' دنیا کا کوئی دوسرا نظام اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے اور آج مغرب اپنی آزادی کی بے اعتدالیوں کے فطری نتائج دیکھنے کے بعد اسی "توازن" کی تلاش میں سرگرداں دکھائی دے رہا ہے۔

عورت کو ہی لے لیجیے۔ اسلام نے اسے معاشرہ میں بیٹی' بہن' بیوی اور ماں کے طور پر شفقت' محبت اور احترام کا مقام دیا مگر ان چار جائز رشتوں سے ہٹ کر وہ "پانچواں رشتہ" تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جو آج ویسٹرن سولائزیشن کا طرۂ امتیاز ہے اور جسے جائز تسلیم کرانے اور قانونی تحفظ دلانے کے لیے عالمی سطح پر خواتین کی کانفرنسوں کا اہتمام ضروری سمجھا جا رہا ہے لیکن مغرب خود اس بارے میں کنفیوژن کا شکار ہے۔ ایک طرف مسٹر گوربا چوف کا کہنا ہے کہ ہم نے عورت کو گھر سے نکال کر دفتر اور فیکٹریاں تو آباد کر لیں لیکن

"فیملی سسٹم" تباہ ہو گیا ہے اور اب عورت کو واپس گھر لے جانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا۔ امریکہ کی خاتون اول مسز ہیلری کلنٹن نے اپنے دورہ اسلام آباد میں کھلم کھلا کہا کہ امریکی معاشرہ کا سب سے بڑا مسئلہ لڑکی کا کنوارے پن میں ماں بن جانا ہے اور برطانوی وزیر اعظم جان میجر "بیک ٹو بیسز" (Back to bases) کا نعرہ لگا کر ان خواتین کی حوصلہ افزائی کے لیے پالیسیاں وضع کر رہے ہیں جو بچوں کی دیکھ بھال کے لیے گھروں میں رہنے کو ترجیح دیتی ہیں اور اس سب کچھ کے ساتھ ساتھ دوسری طرف مغربی دانش ور ان "خواتین کانفرنسوں" کے ذریعے تیسری دنیا اور عالم اسلام کو اس دلدل میں آگے بڑھنے کی دعوت بھی دے رہے ہیں جس سے نکلنا خود ان کے لیے مشکل تر ہو گیا ہے۔

اسلام کا قصور یہ ہے کہ اس نے عورت کو ان زائد ذمہ داریوں کا سزاوار نہیں ٹھہرایا جو اس کے فطری فرائض سے متصادم ہیں اور بچے کی پیدائش و پرورش اور خانہ داری کے فرائض کے بعد معاشی کفالت کا بوجھ اس پر نہیں ڈالا مگر مغرب نے معاشی کفالت کے لیے ملازمت اور محنت مزدوری کو ڈیوٹی اور فرائض کی فہرست سے نکال کر حقوق کی فہرست میں شامل کر دیا اور معاشی مساوات کے پر فریب نعرے کے ساتھ عورت کو دوہری ذمہ داریوں کے شکنجے میں کس دیا جبکہ وہ "عقل کی پوری" خوش ہے کہ اس نے مرد کے برابر معاشرتی حقوق حاصل کر لیے ہیں۔

مغرب نے رشتوں کا تقدس ختم کر کے آزادی اور مساوات کے نام پر جس طرز معاشرت کی داغ بیل ڈالی تھی اور مرد و عورت کے آزادانہ اختلاط کو فروغ دیا تھا' یہ اس کے منطقی اور فطری نتائج ہیں کہ کنواری ماؤں اور ناجائز بچوں کے تناسب میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے' فیملی سسٹم تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے اور ماں باپ کی شفقت سے محروم بچوں میں نفسیاتی امراض روز مرہ بڑھ رہے ہیں بلکہ اس لحاظ سے مغرب کی عورت انسانی معاشرہ کی مظلوم ترین عورت ہے کہ بچپن سے جوانی تک جب اسے تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے' وہ جنسی ہوسناکیوں کی شکار گاہ بنی رہتی ہے' اور جوانی ڈھل جانے کے بعد جب خدمت اور احترام اس کی ضرورت بن جاتی ہے' اسے "اولڈ پیپلز ہوم" میں دھکیل دیا جاتا ہے جہاں وہ سال کے ان مخصوص دنوں کے انتظار میں زندگی گزار دیتی ہے جب اس کے جوان بیٹے اور بیٹیاں کاغذی پھولوں کا گلدستہ لیے اسے دیکھنے آتے ہیں۔

گزشتہ سال قاہرہ میں ہونے والی خواتین کی عالمی کانفرنس میں جو سفارشات کی گئیں، ان میں اسقاط حمل کو قانونی تحفظ دینے، کنڈوم کی کھلم کھلا اور عام فراہمی کو یقینی بنانے، بن بیاہی ماں کو سماجی تحفظ فراہم کرنے اور ہم جنس پرستی کو قانونی طور پر تسلیم کرنے کی سفارشات شامل ہیں حالانکہ یہی وہ اسباب ہیں جنہوں نے مغربی معاشرہ کو رشتوں کے تقدس اور خاندانی زندگی سے محروم کیا ہے حتی کہ گورباچوف، ہیلری کلنٹن اور جان میجر جیسے لیڈر بھی اس تباہ کاری پر چیخ اٹھے ہیں مگر عالم اسلام اور تیسری دنیا کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ ان اسباب کو اختیار کریں اور جنسی انارکی کی دلدل میں پھنس کر "رشتوں کے تقدس" اور "خاندانی زندگی" کو مغرب کی خواہشات پر قربان کر دیں، اس لیے بیجنگ کی "عالمی خواتین کانفرنس" کے موقع پر میں اقوام متحدہ کے پالیسی سازوں، خواتین کے حقوق کی جنگ لڑنے والے اداروں اور دانشوروں سے یہ گزارش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ خواتین کے حوالے سے اپنی مہم کے اہداف اور ترجیحات پر نظر ثانی کریں اور اسے "ویسٹرن سولائزیشن" کی بالادستی کی جنگ بنانے کی بجائے انسانی معاشرہ اور عالمی برادری میں خواتین کے جائز اور فطری مقام و حیثیت کے تعین اور اس کی بحالی کی جدوجہد کا درجہ دیں۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس مقدس جدوجہد میں مسلم علماء اور دانش ور نہ صرف ان کے شانہ بشانہ شریک ہوں گے بلکہ اسے اپنا "مذہبی فریضہ" سمجھیں گے۔ لیکن اگر "بیجنگ کانفرنس" کی سفارشات و تجاویز کا تانا بانا بھی "قاہرہ کانفرنس" کی سفارشات ہی سے بنا گیا تو ہمارے نزدیک یہ ساری تگ و دو تیسری دنیا اور عالم اسلام کو ان کے کلچر سے محروم کرنے بالخصوص مسلم دنیا کو خاندانی زندگی کے بارے میں ان کے بنیادی مذہبی احکام سے منحرف کرنے کی عالمی مہم کا حصہ متصور ہو گی اور عالم اسلام کے دینی ادارے اس قسم کی سفارشات و تجاویز کو مسلم معاشرہ میں نفوذ کا راستہ دینے کے لیے کسی صورت بھی تیار نہیں ہوں گے۔

(مطبوعہ جنگ لندن ۸ ستمبر ۹۵ء)

مدیر اعلیٰ کے قلم سے

پاکستان میں انسانی حقوق کی صورت حال

کے بارے میں ایمنسٹی انٹرنیشنل کی سالانہ رپورٹ کا جائزہ

روزنامہ جنگ لندن ۸ جولائی کی ایک خبر کے مطابق ایمنسٹی انٹرنیشنل نے پاکستان میں انسانی حقوق کی صورت حال کے بارے میں اپنی اس سال کی رپورٹ میں بھی توہین رسالت کی سزا کے قانون اور قادیانیوں کو اسلام کا نام اور اسلامی اصطلاحات کے استعمال سے روکنے کے قانون کو موضوع بحث بنایا ہے اور ان قوانین کے ضمن میں درج مقدمات اور گرفتاریوں کا حوالہ دیتے ہوئے پاکستان میں قادیانیوں اور مسیحیوں کے انسانی حقوق کی پامالی کا تذکرہ کیا ہے۔ مغربی ذرائع ابلاغ اور بین الاقوامی تنظیمیں کسی ملک میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے بارے میں رپورٹ کی تیاری میں کیا طریق کار اختیار کرتی ہیں؟ اس کی ایک جھلک حال ہی میں پاکستان میں چائلڈ لیبر کے استعمال کے حوالے سے مغربی میڈیا اور لابیوں کی مہم کے ضمن میں سامنے آ چکی ہے جس میں بعض مناظر کو فلمانے کے لیے جعلی ماحول پیدا کرنے کے واقعات کی نشاندہی کی گئی ہے اور یہ بات بھی منکشف ہو چکی ہے کہ بھارت کے تجارتی اداروں نے تجارتی مقاصد کے لیے اس مہم کے تانے بانے بنے اور مغربی میڈیا اور لابیاں اس میں ان کی شریک کار بنیں یا کم از کم اس مہم کے حق میں استعمال ہوئیں۔ اسی طرح جن دوستوں نے بی بی سی ۲ سے اس سال کے آغاز میں "ایسٹ" کے نام سے دکھائی جانے والی سیریز کے وہ حصے دیکھے ہیں جن میں پاکستان کے مذہبی حلقوں اور اداروں کی تصویر کشی کی

گئی ہے' ان کے لیے اس تکنیک اور طریق واردات تک پہنچنا مشکل نہیں ہے جو پاکستان اور اس کے اسلامی تشخص کی تصویر خراب کرنے کے لیے مغرب کی لابیاں اور ذرائع ابلاغ ایک عرصہ سے استعمال کر رہے ہیں۔

مگر اس پس منظر سے قطع نظر ہم ان دونوں قوانین کا ایک سرسری جائزہ پیش کرنا چاہتے ہیں جو سالہا سال سے ایمنسٹی انٹرنیشنل کی سالانہ رپورٹوں کا موضوع ہیں اور جنہیں انسانی حقوق کے منافی قرار دیتے ہوئے ان کی تبدیلی پر مسلسل زور دیا جا رہا ہے حتیٰ کہ چند ماہ قبل پاکستان کی امور کشمیر کمیٹی کے سربراہ نوابزادہ نصراللہ خان کے دورۂ جنیوا کے موقع پر ایمنسٹی انٹرنیشنل نے انہیں پیش کی جانے والی یادداشت میں مقبوضہ کشمیر میں انسانی حقوق کی پامالی اور انسانی جانوں کے ضیاع کو پاکستان میں قادیانیوں اور مسیحیوں کے انسانی حقوق کی مبینہ پامالی کے ساتھ جوڑ دیا تھا اور ان قوانین کی تبدیلی کا مطالبہ کیا تھا۔

جہاں تک قادیانیوں کی اسلام کے نام پر سرگرمیوں کی ممانعت کا تعلق ہے' اس کی تفصیل یہ ہے کہ قادیانی گروہ ایک نئے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کا پیروکار ہے اور اپنے پیشوا کی ہدایات کو وحی الٰہی پر مبنی تسلیم کرتا ہے جس کی وجہ سے دنیا بھر کے ایک ارب سے زائد مسلمانوں کے متفقہ فیصلہ کی رو سے یہ گروہ ملت اسلامیہ کا حصہ نہیں ہے اور قرآن کریم اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان کے دعوے کے باوجود بالکل اسی طرح مسلمانوں سے الگ ایک نئے مذہب کا پیروکار ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توراۃ پر ایمان کے باوجود عیسائی صرف اس لیے یہودیوں سے الگ ایک نئے مذہب کے پیروکار سمجھے جاتے ہیں کہ وہ ایک نئے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی وحی کو بھی تسلیم کرتے ہیں یا حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام اور تورات و انجیل دونوں پر ایمان کے باوجود مسلمان ان دونوں سے الگ ایک نئے مذہب کے پیروکار کہلاتے ہیں کہ وہ قرآن کریم اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ یہ آسمانی مذاہب کے درمیان ایک طے شدہ اصول ہے جس کے تحت سچ جھوٹ سے قطع نظر قادیانی گروہ مسلمانوں سے الگ ایک نئے مذہب کا پیروکار قرار پاتا ہے' اور ان کے لیے لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے لیے

نیا نام اختیار کرے اور مسلمانوں سے الگ نئی مذہبی اصطلاحات اور شعائر کو متعارف کرائے‘ مگر قادیانی گروہ اس مسلمہ حقیقت اور طے شدہ اصول کو قبول کرنے سے گریز کر رہا ہے اور اپنی نئی نبوت اور نئی وحی کو اسلام کے نام پر دنیا کے سامنے پیش کرنے پر مصر ہے جس پر مسلمانوں کو اعتراض ہے اور اسی اعتراض کو دور کرنے کے لیے پاکستان کی منتخب پارلیمنٹ نے ایک متفقہ آئینی ترمیم کے ذریعہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا ہے اور اس کے بعد قادیانیوں کو اسلام کا نام اور اسلامی اصطلاحات کے استعمال سے قانوناً" روکنے کا قانون بھی اسی آئینی فیصلے کا منطقی تقاضا اور اس پر عمل درآمد کی طرف پیش رفت ہے۔

یہ ہے مسلم قادیانی تنازعہ کا اصل پس منظر جس کی بنیاد قادیانیوں کو شہری حقوق دینے یا ان سے محروم کرنے پر نہیں بلکہ مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان مذہبی امتیاز اور جداگانہ تشخص قائم کرنے پر ہے جو بہرحال دونوں کی مشترکہ ضرورت ہے لیکن انتہائی حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ قادیانی مبادیات کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے منطقی نتائج کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں‘ وہ یہ کہتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی پر وحی نازل ہوئی تھی اور اس وحی پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے دنیا بھر کے ایک ارب سے زائد مسلمان ان کے ہم مذہب نہیں ہیں لیکن مسلمانوں اور قادیانیوں کے مذہب کو الگ الگ تسلیم کرتے ہوئے بھی وہ اپنے مذہب کے لیے الگ نام اور اصطلاحات اختیار نہیں کرنا چاہتے صرف اس لیے کہ اشتباہ اور التباس کی فضا قائم رہے اور وہ اس سے فائدہ اٹھا کر ملت اسلامیہ میں انتشار پیدا کر سکیں۔

اس قسم کی صورت حال اس سے قبل ایران کے بہائیوں کے حوالہ سے بھی پیش آئی تھی کیونکہ بہائی بھی محمد علی اور بہاء اللہ کی تعلیمات کا رشتہ وحی الٰہی سے جوڑتے ہیں لیکن انہوں نے قادیانیوں کی طرح دھوکے اور اشتباہ کو قائم رکھنے کا راستہ اختیار نہیں کیا بلکہ مذاہب کے مسلمہ اصول کا احترام کرتے ہوئے اپنے لیے الگ نام اختیار کیا اور مسلمانوں سے اپنی اصطلاحات اور تشخص کو الگ کر لیا جس کی وجہ سے ان کے ساتھ مسلمانوں کا قادیانیوں

کی طرز کا کوئی تنازعہ نہیں ہے' حتیٰ کہ کسی مسلم پارلیمنٹ کو انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی ضرورت بھی پیش نہیں آئی' اگر قادیانی گروہ بھی معروضی حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے بہائیوں کی طرح الگ نام اور الگ شناخت کا راستہ اختیار کر لے تو مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان تنازعہ کی موجودہ کشیدگی اور منافرت ایک دوسرے کو برداشت کر لینے کی حد تک کم ہو سکتی ہے اور ویسے بھی قادیانیوں کے لیے اصولی اور منطقی طور پر دو ہی راستے ہیں کہ یا تو وہ نئی نبوت اور نئی وحی پر چار حرف بھیج کر ملت اسلامیہ کے اجتماعی دھارے میں واپس آ جائیں اور یا پھر اپنے لیے الگ نام اور الگ شناخت اختیار کریں' تیسرا کوئی راستہ بھی جائز اور معقول نہیں ہے اور جو راستہ انہوں نے اختیار کیا ہے' وہ تنازعہ اور کشیدگی کا راستہ ہے جو اختیار بھی انہوں نے کیا ہے اور اس کے نتائج بھی انہی کو بھگتنا ہیں۔

مسلم قادیانی تنازعہ کے اس پس منظر میں اگر حقوق کی پامالی کا سوال کہیں پیدا ہوتا ہے تو وہ مسلمانوں کے حقوق کا ہے نہ کہ قادیانیوں کے حقوق کا کیونکہ اپنی شناخت اور امتیاز کا تحفظ مسلمانوں کا حق ہے جو قادیانیوں کے غلط طرز عمل کی وجہ سے مجروح ہو رہا ہے۔ اس کشمکش میں اصل خطرہ مسلمانوں کو درپیش ہے کہ ان کا نام اور ان کی شناخت کا استعمال ایک ایسے گروہ کے لیے ہو رہا ہے جو ان کے وجود کا حصہ نہیں ہے اور ان سے الگ مذہبی وجود رکھتا ہے' اس لیے ایمنسٹی انٹرنیشنل اور دیگر مغربی اداروں کو چاہیے کہ وہ اگر واقعی انصاف کے علمبردار ہیں تو اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کریں اور واقعات کی یک طرفہ تصویر پیش کر کے اس پر فیصلے صادر کرنے کی بجائے مسلمانوں کے موقف اور مشکلات کا جائزہ لیں اور ان کے حقوق کے لیے بھی آواز اٹھائیں۔

یہی صورت حال توہین رسالتؐ کی سزا کے قانون کے بارے میں بھی ہے کہ واقعات کی یکطرفہ تصویر کو مسلسل سامنے لایا جا رہا ہے اور اس قانون کو تبدیل کرانے یا بے اثر بنانے کے لیے مغرب کے ذرائع ابلاغ' لابیاں بلکہ حکومتیں دباؤ ڈال رہی ہیں' اس سلسلہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ قانون کا غلط استعمال ہو رہا ہے اس لیے اس میں تبدیلی ضروری ہے اور قانون کے غلط استعمال کے ثبوت کے طور پر رحمت مسیح اور سلامت مسیح کیس کا حوالہ دیا

جاتا ہے' حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ اس کیس کے سلسلہ میں مغربی ذرائع ابلاغ نے اب تک جو کچھ کہا ہے' وہ یک طرفہ ہے۔ دوسری طرف کا موقف کیس سے متعلقہ حضرات سے معلوم کرنے کی آج تک کسی مغربی تنظیم' حکومت یا نشریاتی ادارے نے زحمت گوارا نہیں کی' راقم الحروف ان افراد میں شامل ہے جو سیشن کورٹ کے فیصلے تک اس کیس کی پیروی میں مختلف سطح پر شریک رہے ہیں' اس لیے اس حیثیت سے مندرجہ ذیل حقائق کو ریکارڈ پر لانا ضروری سمجھتا ہے کہ :

---- ○ ہم نے مسیحی راہنما بشپ فادر روفن جولیس ایم این اے کو تحریری پیش کش کی کہ ہم ان کے ساتھ مل کر مشترکہ کمیٹی کی صورت میں اس کیس کی پبلک انکوائری کے لیے تیار ہیں' لیکن انہوں نے پیش کش قبول کرنا تو کجا اس سلسلہ میں رجسٹرڈ خطوط کا جواب دینا بھی گوارا نہیں کیا۔

---- ○ وزیر اعظم پاکستان کی طرف سے انکوائری کمیٹی کے اعلان پر ہم نے کمشنر گوجرانوالہ ڈویژن سے ملاقات کر کے ان سے درخواست کی کہ اس انکوائری میں ہمیں شریک کیا جائے تاکہ ہم اپنی معلومات کی بنیاد پر حقائق کو ریکارڈ پر لاسکیں۔ انہوں نے اس بات کا وعدہ کیا لیکن اس وعدہ کی تکمیل کی نوبت نہ آسکی۔

---- ○ قومی اسمبلی کے مسلم اور مسیحی ارکان پر مشتمل انکوائری کمیٹی اسمبلی کی طرف سے مقرر کی گئی تو ہم نے اس کا خیر مقدم کرتے ہوئے کمیٹی کے ارکان کو گوجرانوالہ تشریف لاکر براہ راست حالات کا جائزہ لینے کی دعوت دی مگر ایسا بھی نہ ہو سکا۔

---- ○ مغربی ذرائع ابلاغ اور تنظیموں کی متعدد ٹیمیں رپورٹ مرتب کرنے کے لیے گوجرانوالہ گئی ہیں' جن کی رپورٹیں سامنے آچکی ہیں لیکن ان میں سے کسی نے کیس کے مدعی اور اس کی پیروی کرنے والے علماء اور وکلاء سے رابطہ کی زحمت گوارا نہیں کی۔

ان حالات میں اس کیس کے بارے میں عالمی سطح پر جو یکطرفہ پراپگنڈا ہوا ہے' وہ سب کے سامنے ہے اور سیشن کورٹ کی طرف سے ملزموں کو قانون کے مطابق سزائے موت سنانے کے بعد ہائی کورٹ میں جس تیز رفتاری کے ساتھ اپیل کے مراحل طے کیے گئے

اور جو طریق کار اختیار کیا گیا' اس کی روشنی میں ملزموں کی بریت' رہائی اور بیرون ملک روانگی پر کوئی تبصرہ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تاہم اس کیس کے حوالے سے قانون کے غلط استعمال کے سلسلہ میں ایمنیسٹی انٹرنیشنل کے الزام کو قطعی طور پر مسترد کرتے ہوئے گوجرانوالہ کے علماء کرام کی طرف سے یہ پیش کش دہرائی جاتی ہے کہ ہم اس کیس کے اصل حقائق کو سامنے لانے کے لیے مسلمان اور مسیحی راہ نماؤں پر مشتمل مشترکہ انکوائری کمیٹی کے ذریعہ آج بھی پبلک انکوائری کے لیے تیار ہیں' بشرطیکہ وہ معروف معنوں میں انکوائری ہو۔ پہلے کی طرح انکوائری کے نام پر یکطرفہ کارروائی نہ ہو۔

پھر کسی قانون کے غلط استعمال کے امکان کو قانون کی تبدیلی کے لیے وجہ جواز قرار دینا بجائے خود محل نظر ہے' قوانین کا غلط استعمال تناسب کی کمی بیشی کے ساتھ دنیا کے ہر ملک میں ہوتا ہے لیکن کہیں بھی ایسے تحفظات اختیار نہیں کیے جاتے جو ضرورت کے وقت قانون کو صحیح استعمال کے امکان کو ہی مخدوش بنا دیں کیونکہ جہاں قانون کے غلط استعمال کی روک تھام ضروری ہے' وہاں اس کے صحیح استعمال کی ضمانت بھی قانون کا تقاضا ہوتا ہے لیکن پاکستان میں توہین رسالت' کی سزا کے قانون کے نفاذ کے طریق کار میں تبدیلی کے لیے جو ترامیم تجویز کی گئی ہیں' وہ اس معیار پر پوری نہیں اترتیں۔ ان ترامیم میں کہا گیا ہے کہ توہین رسالت' کے قانون کے تحت ایف آئی آر کا اندراج ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی پیشگی انکوائری کے ساتھ مشروط کر دیا جائے اور اگر مدعی اپنے الزام کے لیے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے اطمینان کے مطابق ثبوت فراہم نہ کر سکے تو اسے جھوٹے الزام کی سزا میں دس سال کے لیے قید کر دیا جائے' اس صورت میں قانون کے عملی نفاذ کے امکانات مخدوش ہونے کے ساتھ ساتھ قانون پر عمل درآمد کا انحصار کسی عدالتی سسٹم کی بجائے فرد واحد (ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ) کی صوابدید پر رہ جاتا ہے جو انصاف کے مسلمہ اصولوں کے منافی ہے' یہی وجہ ہے کہ ان ترامیم کو پاکستان کی رائے عامہ نے مسترد کر دیا ہے اور ملی یک جہتی کونسل کی اپیل پر ۲۷ مئی ۱۹۹۵ء کو ملک گیر ہڑتال کر کے ان ترامیم کے خلاف عوامی فیصلہ صادر کر دیا ہے۔

ان گزارشات کے علاوہ دو اور پہلو بھی ایمنیسٹی انٹرنیشنل کے پیش نظر رہنے چاہئیں۔

ایک یہ کہ قادیانیوں کو ملت اسلامیہ کا حصہ تسلیم نہ کرنے اور ان سے اپنے لیے الگ نام اور شناخت کا مطالبہ کرنے کا تعلق مسلمانوں کے مذہبی عقائد سے ہے۔ اسی طرح ناموس رسالتؐ کا تحفظ اور توہین رسالتؐ پر موت کی سزا بھی مسلمانوں کا مذہبی معاملہ ہے اور یہ صرف اسلام کا حکم نہیں بلکہ متعدد تصریحات کی رو سے بائبل نے بھی اللہ تعالیٰ کے کسی سچے پیغمبر کی توہین پر موت ہی کی سزا بیان کی ہے اس لیے دنیا بھر کے ایک ارب سے زائد مسلمانوں سے مطالبہ کرنا کہ وہ ایمنسٹی انٹرنیشنل کے طے کردہ انسانی حقوق کا معیار پورا کرنے کے لیے اپنے مسلمہ مذہبی عقائد سے منحرف ہو جائیں، کسی بھی طرح قرین انصاف نہیں ہے اور ایمنسٹی انٹرنیشنل ایسا مطالبہ کر کے مسلمانوں کے مذہبی عقائد میں مداخلت کی مرتکب ہو رہی ہے۔

دوسری بات پاکستان کے حوالہ سے ہے کہ یہ دونوں قوانین پاکستان کی منتخب پارلیمنٹ کے منظور کردہ ہیں اور ان کے پیچھے رائے عامہ کا براہ راست دباؤ بھی موجود ہے جس کا اظہار ۲۷ مئی کو ایک بار پھر ہو چکا ہے، اس طرح ان قوانین کو منتخب پارلیمنٹ کی منظوری کے ساتھ ساتھ رائے عامہ کی پشت پناہی اور ملک کی اعلیٰ عدالتوں کی مکمل تائید حاصل ہے، اس لیے ان قوانین کی تبدیلی کا باہر سے مطالبہ کرنا رائے عامہ اور پارلیمنٹ کے فیصلوں کی توہین ہے جو مسلمہ جمہوری اصولوں کے منافی ہے اور ایمنسٹی انٹرنیشنل کا موجودہ طرز عمل بلاشبہ جمہوری اقدار اور اصولوں سے انحراف کا نقشہ پیش کر رہا ہے۔

اس بنا پر ہم پاکستان میں انسانی حقوق کی صورت حال کے بارے میں ایمنسٹی انٹرنیشنل کی اس سال کی رپورٹ کے ان حصوں کو حقیقت پسندانہ تسلیم نہیں کرتے جن کا تعلق اسلام کے نام پر قادیانیوں کی سرگرمیوں کی روک تھام کے قانون اور توہین رسالتؐ کی سزا کے قانون سے ہے، کیونکہ ہماری رائے میں ایمنسٹی انٹرنیشنل نے ان معاملات میں جانبداری کا مظاہرہ کیا ہے اور اصل حقائق تک پہنچنے یا انہیں منظر عام پر لانے میں سنجیدگی سے کام نہیں لیا۔

آہ! حاجی عبد المتین چوہان مرحوم

ہمارے ایک پرانے دوست اور رفیق کار حاجی عبد المتین چوہان گزشتہ ماہ اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ ہمارے پرانے جماعتی بزرگ حاجی محمد ابراہیم صاحب عرف حاجی کالے خان کے فرزند تھے۔ حاجی کالے خان جمعیت علمائے اسلام اور مدرسہ نصرۃ العلوم کے قدیمی معاونین میں سے ہیں اور حضرت مولانا مفتی عبد الواحد" والد محترم مولانا محمد سرفراز خان صفدر اور عم مکرم حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی کے قریبی رفقاء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

عبد المتین مرحوم کے ساتھ راقم الحروف کا تعلق حفظ قرآن کریم کے دور سے تھا' جب ہم دونوں مدرسہ نصرۃ العلوم میں استاذ محترم حضرت قاری محمد یاسین صاحب مرحوم سے پڑھتے تھے۔ یہ غالباً" ۵۸ء یا ۵۹ء کی بات ہے۔ عبد المتین مرحوم قرآن کریم یاد نہ کر سکے' لیکن علمائے کرام اور جماعتی امور کے ساتھ ان کا تعلق آخر دم تک قائم رہا۔ حضرت درخواستی رحمہ اللہ تعالیٰ' حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت سید نفیس شاہ صاحب کے ساتھ عقیدت و محبت کا خصوصی تعلق تھا اور جمعیت علمائے اسلام اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے کاموں میں بطور خاص دل چسپی کے ساتھ حصہ لیا کرتے تھے۔ طباعت و اشاعت کا خصوصی ذوق تھا' پوسٹرز' اسٹکرز اور کارڈز کی اچھی سے اچھی طباعت کی کوشش کرتے اور ان کاموں پر اچھی خاصی رقم صرف کر دیتے۔

مجلس آرائی ان کا محبوب مشغلہ تھا' نجی محفلوں کا اہتمام بھی کرتے جہاں دوستوں میں گپ شپ ہوتی' بے تکلفی ہوتی اور ہنسی مزاح میں زمانے کی ستم ظریفیوں اور پریشانیوں سے تھوڑی دیر کے لیے نجات مل جاتی اور عمومی محافل کے لیے بھی کوشاں رہتے۔ ابھی وفات سے چند روز قبل مدرسہ اشرف العلوم گوجرانوالہ میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے سیکرٹری جنرل قاری محمد یوسف عثمانی کے ساتھ مل کر ایک خوبصورت محفل حمد و نعت کا

اہتمام کیا' جس کے تذکرے خاصی دیر تک گوجرانوالہ کی محفلوں میں ہوتے رہیں گے۔

طبیعت ہنس مکھ تھی' ظرافت اور مزاح کے ہتھیاروں سے ہر وقت مسلح رہتے تھے' دوستوں کو نشانہ بنا کر لطف لیتے اور خود نشانہ بن کر محظوظ ہوتے' مزاج میں حد درجہ بے تکلفی تھی' بازار سید نگری میں البدر جنرل سٹور ان کی دکان ہے' کبھی کبھار مسائل و مصائب کے ہجوم سے طبیعت زیادہ پریشان ہوتی تو دکان پر ان کے پاس چلا جاتا اور چائے کی پیالی کے ساتھ گپ شپ اور ہنسی مزاح کے ایک چھوٹے سے دور میں طبیعت کی ساری پریشانی کافور ہو جاتی' اب تو دوستوں کی وہ محفل ہی اجڑ گئی ہے جہاں کبھی کبھار زمانے کی پریشانیوں سے بھاگ کر پناہ لے لیا کرتے تھے۔ اللہ مرحوم کی مغفرت فرمائیں' جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازیں اور حاجی کالے خان صاحب اور ان کے خاندان کو صبر و حوصلہ کے ساتھ اس صدمہ سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق دیں۔ آمین یا رب العالمین

معالم العرفان فی دروس القرآن

مولانا صوفی عبد الحمید سواتی

کی جلد ۱۶ منظر عام پر آگئی ہے جو سورۃ محمد تا سورۃ الرحمٰن کی تفسیر پر مشتمل ہے

صفحات : ۵۲۸ ○ قیمت : ۱۳۰ روپے

مکتبہ دروس القرآن' فاروق گنج' گوجرانوالہ

حکیم عبد الرشید شاہد

معدے کی تیزابیت
دور کرنے کے لیے موسمی کا ناشتہ

موسمی مالٹے کی خوش ذائقہ میٹھی قسم ہے' جو دنیا بھر میں شوق سے کھائی جاتی ہے' اس دل فریب پھل میں ۸۰ فیصد صاف پانی اور ۲۰ فیصد تک گوشت بنانے والے روغنی اور نشاستہ دار اجزا کے ساتھ سوڈیم' پوٹاشیم اور فاسفورس کی آمیزش ہے۔ موسمی کا مزاج گرم اور تر ہے۔ ایک عمدہ غذا ہونے کے علاوہ یہ قبض کشا اور عمدہ پیشاب آور ہے۔ تین بڑی موسمی میں دو چپاتیوں کے برابر غذا ہے۔ معدہ میں داخل ہوتے ہی یہ معدی ہاضم مرطوبات کی تراوش بڑھا دیتی ہے اور معدہ کی تیزابیت دور کر دیتی ہے۔ آج کل گیس کی شکایت اکثر پائی جاتی ہے' ایک محتاط اندازے کے مطابق ستر فیصد آبادی ہاضمہ کی خرابی کا رونا روتی ہے' ریح اور بائے بادی کی وجہ سے اکثر اصحاب غذا کھا کر گھنٹوں تک کلیجہ جلنے کی شکایت کرتے ہیں اور دن بدن پیٹ بڑا ہونے کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں' ایسے مریض جو آٹھ بجے تین موسمی ناشتہ کے طور پر کھالیں' پانچ دن کے بعد ایک بجے بطور غذا استعمال فرمائیں اور کھانا حسب معمول جاری رکھیں' مگر اس پھل کا رس گودہ اور پتلا چھلکا سوائے اوپر کے سخت زرد چھلکے کے سب چٹ کر جائیں' ان شاء اللہ شکم سیری کے علاوہ گیس کم' طبیعت ہلکی' پیٹ نرم اور پاخانہ با فراغت خارج' سونے سے پہلے چند روزہ استعمال پر وزن بھی کم ہونا شروع ہو جائے گا۔ اکثر نوجوان بازاروں میں اس کا جوس شوق سے پیتے ہیں صرف جوس پینے سے معدے کی تیزابیت دور ہوتی ہے' اور بدنی فضلات پیشاب کے ذریعے خارج ہو جاتے ہیں مگر گودہ زود ہضم ہونے کے علاوہ دائمی قبض کا بے ضرر' شافی علاج بھی ہے۔ ایک خاص نقطہ اور بھی عرض کرتا چلوں کہ جو حضرات اس کا جوس پیتے ہیں وہ اس کو غٹاغٹ حلق سے انڈیلنے کے بجائے اگر اس کو چائے کی طرح چسکی لگا کر پئیں گے تو فائدہ زیادہ ہو گا اس لیے کہ چسکی لگا کر پینے سے منہ کا لعاب زیادہ شامل ہو گا جو ہضم ہونے میں زیادہ مدد دے گا۔ جب جوڑوں میں یورک ایسڈ ہونے سے چھوٹے بڑے جوڑوں میں درد اور سوج ہو جائے تو سورنجاں شیریں سنڈھ' کالی مرچ برابر وزن کوٹ کر سفوف بنا کر تین سے چھ ماشہ روزانہ موسمی پر لگا کر کھائیں' چند دنوں میں یورک ایسڈ پیشاب کے راستے خارج ہو گا۔ درد اور سوجن ٹھیک ہو گی' موسمی کے بیج اور زرد کوڑی برابر وزن لے کر عرق گلاب میں ۲۵ گھنٹے کھرل کر کے سرمہ بنا کر رکھ لیں' آنکھوں میں لگا لیں تو جالا کٹ جائے اور نظر تیز ہو جاتی ہے۔ اس کا اوپر والا زرد چھلکا خشک کر کے آگ پر جلالیں' سیاہ رنگ کی جلی ہوئی راکھ ۳ ماشہ اور خالص شہد ایک تولہ میں ملا کر بار بار چاٹنے سے گلے کی خراش دور' کھانسی کافور اور بلغم باسانی خارج ہو کر سانس کی تنگی بفضل خدا دور ہو جاتی ہے' موسمی میں رطوبت زیادہ ہونے کی وجہ سے بعض ٹھنڈے مزاج والوں اور بوڑھوں کو اس کے استعمال سے بدن میں دردیں ہونے لگتی ہیں تو دردوں کی وجہ عوام الناس اس کو ٹھنڈا سمجھنے لگتے ہیں' حالانکہ اس کا مزاج گرم تر ہے' ایسے حضرات اس کو کھا کر دو پہر اجوائن دیسی اور پودینہ خشک کا قہوہ بنا کر پئیں تو بجائے نقصان کے بہت فائدہ ہو گا۔

اسلامی تعلیم و تربیت کا مثالی ادارہ

مدرسہ عربیہ سرفراز المدارس

(اہل السنت والجماعت حنفی دیوبندی)

چوک حیاۃ النبیؐ' جناح روڈ (بل نوشہرہ سانسی روڈ) گوجرانوالہ

زیر سرپرستی: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر

---○ علاقہ کے مسلمانوں کی دینی و مسلکی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ۵۰ مرلہ کے رقبہ میں مدرسہ و مسجد کی تعمیر کا کام جاری ہے

---○ تجوید و قراءت' حفظ قرآن کریم' ترجمہ قرآن کریم اور میٹرک تک اسکول کی بلا معاوضہ تعلیم تجربہ کار اساتذہ کی نگرانی میں دی جاتی ہے

---○ اس سال شوال المکرم سے درس نظامی (ہدایہ النحو مع میٹرک) کا آغاز کیا جا رہا ہے

خصوصی توجہ مدرسہ سے ملحقہ جامع مسجد حیاۃ النبیؐ (۵۳ × ۵۰ فٹ) اور مدرسہ کے چار کمرے (۲۰ × ۱۸ فٹ) مع برآمدہ کی تعمیر کا شوال سے آغاز کیا جا رہا ہے' ان شاء اللہ تعالیٰ

اصحاب خیر عطیات' صدقات' زکوٰۃ' راہ نمائی' مشاورت اور دعاؤں کی صورت میں اس کار خیر میں عملی تعاون کر سکتے ہیں

من جانب

(مولانا) محمد ایوب طوفانی' مہتمم مدرسہ صفدریہ و صدر بزم صفدر پاکستان

حضرت شاہ ولی اللہؒ دنیا اور آخرت کی فلاح کا سارا دار و مدار ان چار بنیادی اخلاق کو قرار دیتے ہیں : ۱۔ طہارت (پاکیزگی) ۲۔ اخبات (اعلیٰ و برتر ذات خداوندی کے حضور میں خشوع و خضوع) ۳۔ سماحت (ضبط نفس) ۴۔ عدالت

ان چار اخلاق میں مرکزی حیثیت عدالت کو حاصل ہے۔ کسی سوسائٹی میں عدل و انصاف قائم نہیں ہو سکتا جب تک رزق کمانے والی جماعتوں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنے سے احتراز کلی نہ برتا جائے۔ نزول قرآن کے زمانے میں کسریٰ و قیصر نے متمدن دنیا کے اکثر حصے کو اقتصادی پریشانی میں مبتلا کر کے اخلاق سے محروم کر دیا تھا، اس لیے قرآن عظیم کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ کسریٰ و قیصر کا زور توڑ کر ایسا نظام نافذ کر دیا جائے جس سے اقوام عالم کو اس مصیبت سے نجات حاصل ہو۔

(مولانا عبید اللہ سندھیؒ)

REGD.L NO 8736

MONTHLY
AL-SHARIA
GUJRANWALA.PAKISTAN

PHONE (0431) 219663

صنعتِ بس باڈی بلڈنگ میں ممتاز نام

G-M-S

ہر قسم کی گاڑیوں کی دیدہ زیب اور مضبوط ساخت کا قدیم مرکز
الیکٹرک شیٹ سے الیکٹرک لوم موٹرز بھی تیار کی جاتی ہیں

یوسف انجینئرز

کلائمیکس آباد۔ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

فون فیکٹری :۔ ۸۱۹۴۸ ، فون رہائش :۔ ۸۴۲۴۸